انجینیئر محمد علی مرزا: افکار ونظریات

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

دار الفکر الاسلامی

نام کتاب: انجینئر محمد علی مرزا: افکار و نظریات
مصنف: ڈاکٹر حافظ محمد زبیر
ناشر: دار الفکر الاسلامی
صفحات: 70
قیمت: 100 روپے
طبع اول [اضافہ شدہ]: نومبر، 2019ء
ای میل: mzubair@cuilahore.edu.pk
hmzubair2000@hotmail.com

مصنف کی دیگر کتب:

- ☆ وجود باری تعالیٰ: مذہب، فلسفہ اور سائنس کی روشنی میں (Existence of God)
- ☆ صالح اور مصلح (Personality Development)
- ☆ سیکس، سائیکالوجی اور سوسائٹی (Sex, Psychology and Society)
- ☆ آسان دین (Easy Islam)
- ☆ تعلق کی سائنس (Science of Relationship)
- ☆ ازدواجی زندگی مسائل اور حل (Marital Life: Problems and Solutions)
- ☆ جادو، آسیب اور نظر بد کا علاج (Magic, Devil and Evil Eye)
- ☆ مکالمہ (Dialogue)
- ☆ اسلامی نظریہ حیات (Islamic Ideology of Life)
- ☆ اسلام اور مستشرقین (Islam and Orientalists)

مصنف کی جملہ کتب کے پی ڈی ایف ورژن کا ڈاؤن لوڈ لنک:

http://kitabosunnat.com/musannifeen/muhammad-zubair-temi.html

انجینئر محمد علی مرزا: افکار و نظریات

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر
اسسٹنٹ پروفیسر، کامساٹس یونیورسٹی اسلام آباد، لاہور کیمپس، لاہور
ریسرچ فیلو، مجلس تحقیق اسلامی، ماڈل ٹاؤن، لاہور
ریسرچ فیلو، شعبہ تحقیق اسلامی، قرآن اکیڈمی، لاہور

دار الفکر الاسلامی

لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
In The Name Of Allah, The Most Beneficent, The Most Merciful

﴿أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَابِيًا وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِثْلُهُ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ﴾ [الرعد: 17]

”اللہ عزوجل نے آسمان سے بارش برسائی تو ندی نالے اپنے ظرف کے مطابق بہہ پڑے۔ پھر سیلاب آیا تو اپنے ساتھ سطح پر جھاگ بھی لے آیا۔ اور ویسا ہی جھاگ اس وقت بھی پیدا ہوتا ہے جبکہ لوگ دھاتوں کو زیور اور برتن وغیرہ بنانے کے لیے پگھلاتے ہیں۔ اسی طرح اللہ عزوجل حق اور باطل کو واضح کرتے ہیں۔ تو جو تو جھاگ ہے وہ خشک ہو کر اڑ جاتی ہے اور جو چیز انسانوں کے لیے فائدہ مند ہے تو وہ پیندے میں باقی رہ جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ عزوجل مثالوں کو بیان کرتے ہیں۔“

انتساب

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرنے اور رکھنے والوں

کے نام

فہرست مضامین

مقدمہ

جنوری 2019ء کے وسط میں راقم الحروف اپنے تین دوستوں کے ساتھ مرزا صاحب سے ملاقات کے لیے ان کے ادارے جہلم گیا تھا، دوران ملاقات کچھ گفتگو بھی ہوئی۔ مرزا صاحب سے ملاقات ہمارے ایک دوست عاصم مغل صاحب کے توسط سے ہوئی تھی اور اس ملاقات کے لیے انہیں تین ماہ کھپنا پڑا۔ ہم نے مرزا صاحب سے درخواست کی تھی کہ ہم آپ سے بحث کے لیے نہیں آنا چاہتے، ہم آپ سے آپ ہی کی تحریر "واقعہ کربلا کا حقیقی پس منظر: 72 صحیح الاسناد احادیث کی روشنی میں" پر چند سوال کرنے آئیں گے اور ان کا جواب سننا چاہیں گے۔ اور ہم اس سوال جواب کی گھنٹہ بھر کی نشست کی ویڈیو ریکارڈنگ بھی کرنا چاہتے ہیں۔ پہلے تو مرزا صاحب نے کہا کہ سوال پہلے لکھ کر بھیج دیں۔ خیر ایک مہینہ پہلے انہیں سوالات لکھ کر بھیج دیے گئے۔ اور ایک مہینہ پہلے ایک بچے کو بھی آپ پانچ سوالات پکڑا دیں تو وہ بھی تیاری تو کر لے گا لیکن حیرت ہوئی کہ مرزا صاحب نے دوران ملاقات صاف انکار کر دیا کہ کون سے سوالات؟ کیسے سوالات؟ بس ایک سوال کرنے کی آپ کو اجازت ہے۔ اور اس کی بھی آپ ریکاڈنگ نہیں کر سکتے جبکہ ہمارے ایک ساتھی اپنا کیمرہ لے کر گئے ہوئے تھے بلکہ ساتھ ہی مرزا صاحب نے یہ بھی کہا کہ اگر آپ میں سے کسی نے اس گفتگو کی آڈیو ریکارڈنگ بھی کی تو اللہ کے ہاں گریبان پکڑ لوں گا۔ تو یہ تو ان کے خوف کا عالم ہے۔

باقی مختلف سوشل میڈیا کے گروپس میں ان کے جو میسجز گھومتے رہتے ہیں کہ مرزا صاحب علماء سے ملاقات کے لیے تیار ہیں، جنہوں نے ملنا ہے تو اس ای۔ میل یا ان فون نمبرز پر رابطہ کریں تو یہ سب ڈھکوسلا ہے، یا مہذب الفاظ میں اس کو مارکیٹنگ کہتے ہیں اور عام لوگ اس قسم کے میسجز کو سچ سمجھ لیتے ہیں۔ مرزا صاحب کے اہل علم سے ملاقات سے گھبرانے کی وجہ جو ان سے ملاقات کے بعد سمجھ آئی ہے، وہ یہ ہے کہ مرزا صاحب واقعی میں کسی صاحب علم کے سامنے دو منٹ نہیں بیٹھ سکتے۔ ابو یحیی نور پوری صاحب اتنے عرصے سے مرزا صاحب پر نقد کر رہے ہیں اور خوب علمی نقد کر رہے ہیں، ان کی ویڈیوز دیکھ کر ہزاروں لوگ مرزا صاحب کو سننا چھوڑ رہے

ہیں۔ نہ مرزا صاحب ان کو جواب دے رہے ہیں، اور نہ ملاقات کا وقت دیتے ہیں۔

ایک مرتبہ ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کے بیٹے آصف حمید صاحب نے مجھ سے رابطہ کیا کہ مرزا صاحب اہل تشیع کے ہاں ان کے مدارس کا وزٹ کر آتے ہیں تو آپ ان سے مل کر آئے ہیں، اگر ہمارے ہاں بھی آجائیں تو ان سے کچھ موضوعات پر تبادلہ خیال بھی ہو جائے اور وہ ادارے قرآن اکیڈمی اور تنظیم اسلامی وغیرہ کے مرکز کا دورہ بھی کر لیں اور مل بیٹھ کر کھانا وانا بھی کھالیں۔ تو میں نے عاصم مغل بھائی کے ذریعے مرزا صاحب کو پیغام بھجوایا تو یہ جواب موصول ہوا کہ آپ کو تو پتہ ہے کہ مرزا صاحب کہیں جاتے نہیں ہیں حالانکہ ابھی کچھ دن پہلے ہی وہ مولانا طارق جمیل صاحب اور اہل تشیع کے ایک مرکز کا دورہ کر کے لوٹے تھے۔ تو ہمارے دوست عاصم مغل صاحب جو کافی عرصہ مرزا صاحب سے متاثر رہے، اس پر کافی حیران ہوئے اور کہنے لگے کہ میں انہیں مخلص سمجھتا تھا لیکن ان سے واسطہ پڑنے پر معلوم ہوا کہ یہ صریح جھوٹے لوگ ہیں۔ اور یقین نہیں آرہا کہ یہ ایسی دوغلی پالیسیوں کے حامل ہیں کہ جہاں انہیں کچھ دنیاوی مفاد نظر آتا ہے، وہاں چل پڑتے ہیں اور جہاں کسی علمی گفتگو یا کام کی بات کا ماحول ہو تو وہاں سے دامن بچا کر نکل جاتے ہیں۔

ابھی بھی اگر مرزا صاحب کے کسی فالوور کا یہ خیال ہے کہ ہماری بات غلط ہے اور مرزا صاحب تو اہل علم سے ملاقات کے لیے بہت گرم جوش ہیں تو بھئی مجھے آپ مرزا صاحب سے وقت لے دیں، جہاں کہیں گے، دوبارہ آجاؤں گا، لیکن ایک شرط کے ساتھ کہ پروگرام فیس بک لائیو چلے گا اور میں صرف اور صرف ان کی تحریر پر سوال اٹھاؤں گا، کوئی بحث نہیں کروں گا، البتہ اب کی بار سوال پہلے لکھ کر نہیں بھیجوں گا۔

چلیں، اس میں حرج نہیں کہ آپ کو نہیں آتا لیکن دوسری طرف جب آپ یہ کہتے ہیں کہ میں کسی بھی عالم دین کی صرف نحو کی غلطیاں نکال کر دکھا سکتا ہوں تو اس جھوٹ پر بہت افسوس ہوتا ہے۔ تو جھوٹ نہ بولیں تو کوئی آپ کو ناواقفیت کا ٹیگ نہیں لگائے گا لیکن جب آپ اپنے آپ کو نابغۃ العصر اور حضرت العلام ثابت کرنے میں لگ جائیں گے اور باقی سارے تو شاید آپ کے سامنے

گھٹنے ٹیک کر بیٹھنے کے قابل ہیں تو پھر لوگ آپ کو آپ کی حیثیت بتلائیں گے۔ جب آپ خود اِل مینرڈ (ill mannered) ہوں گے اور صحابہ کرام پر طعن و تشنیع کریں گے، علماء اور مولویوں کو خوب رگڑا لگائیں گے، ہر کسی کو کھری کھری سنائیں گے، تو لوگ آپ کو آپ کی اوقات بجا طور یاد دلوائیں گے اور پھر آپ کو برا لگے گا حالانکہ یہ سارا محاذ آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے خود کھولا ہوا ہے لہٰذا بند بھی آپ کو ہی کرنا ہے۔

بہر حال ہم نے مرزا صاحب کے اس رویے سے مایوس ہو کر ان کے کتابچے "واقعہ کربلا کا حقیقی پس منظر: 72 صحیح الاسناد احادیث کی روشنی" پر تقریباً 18 گھنٹے کی ویڈیوز ریکارڈ کروائیں اور انہیں اپنے یو۔ٹیوب چینل پر اپ لوڈ کر دیا کہ جس کا لنک کتابچے کے آخر میں ہم نقل کر رہے ہیں۔ بعض دوستوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ بعض مقامات پر بحث گہری ہو جاتی ہے لہٰذا اس کو پکڑنا مشکل ہو جاتا ہے تو ان ویڈیوز کو تحریری صورت دے دیں۔ تو اسی غرض سے ویڈیو کے اس مواد کو تحریری صورت میں پیش کیا جا رہا ہے اور یہ کتابچہ اس سلسلے کی پہلی قسط ہے۔ اس کے بعد دوسری قسط بھی شائع ہو گی، ان شاء اللہ عزوجل۔ مرزا صاحب اپنے اس کتابچے کو اپنا بنیادی ترین فکر بتلاتے ہیں بلکہ ان کے بقول یہ کتاب ان کی "دی بیسٹ پراڈکٹ" ہے اور وہ اسے علماء کے خلاف "ہائیڈروجن بم" قرار دیتے ہیں۔

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہم نے جو ویڈیوز تیار کی تھیں تو اس کے جواب میں مرزا صاحب کے فالوورز بلکہ ان بعض ساتھیوں کی طرف سے بھی بہت کچھ گالم گلوچ سننے کو ملا حالانکہ ہم نے ویڈیو میں شاید ہی کوئی ایک جملہ بھی ایسا بولا ہو جو مخاطب کے لیے قابل اعتراض ہو سکتا تھا۔ بعض دوستوں کا کہنا یہی ہے کہ واسطہ پڑنے پر معلوم ہوا ہے کہ یہ بدمعاشوں کا ٹولہ ہے جن کا کام علماء اور مذہبی طبقات کو محض لعن طعن کرنا، گالم گلوچ دینا اور ان کی شخصیت کو مسخ کرنا ہے۔ خیر اس بات کا تو میں بھی گواہ ہوں کہ جتنی گندی زبان مرزا صاحب علماء کے بارے میں استعمال کرتے ہیں، الامان والحفیظ۔ مجھ سے ملاقات کے دوران حضرت صاحب کہہ رہے تھے کہ یہ علماء مجھ پر بھونکتے ہیں۔ اب بھلا کوئی شریف آدمی ایسے گفتگو کرتا ہے۔ خیر وہ تو یہ بھی کہہ دیں گے کہ

مجھے شریف مت سمجھو اور انہوں نے ہم سے ایسی باتیں کیں بھی تھیں۔ بھئی جب آپ علماء کو ناصبی کہو گے تو وہ جواب میں آپ کو رافضی ہی کہیں گے، اور کیا کہیں گے ! تو انہوں نے تو رافضی بھی نہیں کہا، صرف نیم رافضی کہا ہے، یہ بھی ان کا بھلا ہے کہ آپ کا لحاظ کیا ہے اور آپ نے تو ان کو پکا ناصبی کہنا شروع کر دیا ہوا ہے بلکہ جس کا آپ سے ذرا اختلاف ہوتا ہے، آپ اس پر ناصبی کے فتوے لگانا شروع ہو جاتے ہیں۔ پھر آپ کی وہ ویڈیو آج بھی سوشل میڈیا پر آن دی ریکارڈ ہے کہ جس میں آپ نے یہ کہا تھا کہ پاکستان کا کوئی ایک مدرسہ ایسا دکھا دیں کہ جہاں مولوی کو حجرے میں منہ کالا کرنے کے لیے بچے میسر نہ ہوں۔ اور آپ کے یہ الفاظ کے میں ان مولویوں کی شلوار اتار کر ان کے ہاتھ میں پکڑا دوں گا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تو یہ کچھ گفتگو اس لیے کر دی کہ مرزا صاحب اور ان کے ساتھیوں کو مسکین بننے کر بڑا شوق ہے کہ ہمیں یہ کہہ دیا، ہمیں وہ کہہ دیا، بالکل محلے کے اس بچے کی طرح جو گلی میں ہر بچے سے چھیڑ خوانی کرنے کے بعد کٹ کھا کر گھر آ جاتا ہے اور اب ماں کو شکایتیں لگاتا ہے کہ مجھے فلاں نے مارا ہے لیکن یہ نہیں سوچتا کہ جس نے مارا ہے، اس نے جوابا مارا ہے اور انہیں بھی یہ سوچ نہیں آتی۔ تو رہی بات مرزا صاحب کے کتابچے کی تو مرزا صاحب کے اس کتابچے کے چھ مصادر ہیں: احادیث مبارکہ جو کہ صحیح ہیں، احادیث مبارکہ جو کہ ضعیف ہیں، مرزا صاحب کا احادیث کے تراجم میں بریکٹس کی صورت میں اضافے کرنا، مرزا صاحب کا احادیث کے مفاہیم میں انحراف کے لیے سطحی اور بے کار قسم کے حواشی اور فٹ نوٹس لگانا، مرزا صاحب کا تاریخ کی کتابوں سے حوالے نقل کرنا، مرزا صاحب کا بابوں کو حوالہ بنانا۔ تو مرزا صاحب کی یہ فکر ان چھ چیزوں سے مرکب ہے کہ جس میں صحیح ضعیف احادیث، مرزا صاحب کی من مانی تاویلات اور بابوں کے وہ اقوال جو مرزا صاحب کی فکر کو اسپورٹ کرتے تھے، آ گئے ہیں۔

یہ تو مرزا صاحب کے مصادر ہوئے، اور جہاں تک اس کتابچے کے موضوع کی بات ہے، تو یہ کتابچہ چھ ابواب پر مشتمل ہے کہ جس کے 32 صفحات ہیں اور ان میں دو ابواب یعنی 17 صفحات بالخصوص جبکہ بقیہ ابواب میں بھی روایات کی بڑی تعداد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق ہے کہ

جنہیں مرزا صاحب نے کھینچ تان کر، کبھی بریکٹس کی صورت ترجمے میں مذموم اضافے کر کے، اور کبھی گھٹیا قسم کے فٹ نوٹس لگا کر، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے ہر مثبت بات کو بھی منفی بنا دیا ہے۔ یہ کتابچہ واقعہ کربلا کا پس منظر کم اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف چارج شیٹ زیادہ معلوم ہوتا ہے بلکہ اس کتابچے کا صحیح عنوان "امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف چارج شیٹ" ہی بنتا ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے تئیں، اس امت میں پیدا ہونے والے ہر فساد کی جڑ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

تو واقعہ کربلا کا حقیقی پس منظر بیان کرتے کرتے چھ میں سے پانچ ابواب تو مرزا صاحب نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر لگا دیے اور آخر ایک باب میں یزید کا تذکرہ کر دیا تو گویا واقعہ کربلا کا یہ طویل پس منظر ذکر کر کے مرزا صاحب یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ کربلا میں ہونے والے ظلم عظیم کے اصل ذمہ دار یزید کم اور ان کے والد محترم زیادہ ہیں جو اس وقت دنیا میں تھے ہی نہیں، معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ۔ اور یہ سارا کتابچہ آپ پڑھ لیں تو اسے پڑھ کر یہی تاثر قائم ہوتا ہے کہ لوگ کربلا کا الزام یزید کو دیتے ہیں حالانکہ اصلاً تو اس الزام کے حقدار تو ان کے والد محترم تھے کہ جنہوں نے وہ ساری بیک گراؤنڈ بنائی تھی کہ جس کی وجہ سے کربلا کا سانحہ ہوا۔

اب یہ بدیانت اور خائن لوگ کس طرح سے وہ حدیثیں جو اپنے مفہوم میں عام ہیں، کھینچ تان کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی صحابہ کرام پر چسپاں کرتے ہیں! ایک طرف انہیں رضی اللہ عنہ لکھ رہے ہیں اور صحابی مان رہے ہیں، دوسری طرف ان کی گردن اڑانے کو جہاد قرار دے رہے ہیں۔ بس ان کا مطالبہ صرف اتنا ہے کہ چونکہ فلاں صحابی رسول ہے، لہٰذا اس کی گردن اڑانے سے پہلے بس "رضی اللہ عنہ" پڑھ لینا تاکہ پورے ادب اور احترام سے گردن اڑائی جا سکے، معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ۔ اور یہی کام مرزا صاحب اور ان کے فالوورز کر رہے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو معاذ اللہ، شرابی، حرام خور، سود خور، بدعتی، باغی اور واجب القتل ثابت کرنے کے لیے پورا زور لگانے کے بعد بس استدعا یہ کر رہے ہوتے ہیں کہ یہ سب کچھ ماننے اور کہنے سے پہلے ان کے نام کے ساتھ "رضی اللہ عنہ" پڑھ لیا جائے، فیا اللعجب۔

مرزا صاحب نے اپنے ریسرچ پیپر المعروف ہائیڈروجن بم "واقعہ کربلا کا حقیقی پس منظر" میں جا بجا یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی صحابہ کرام کا گروہ، باغی گروہ تھا۔ اور وہ صرف انہیں باغی کہنے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اپنے کتابچے کے پانچویں باب بعنوان "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حکومت مل جانے کے بعد بتدریج اس امت پر کیسی ملوکیت مسلط ہوئی اور اس کا بھیانک نتیجہ کیا نکلا؟" میں، ص 25 پر، صحیح مسلم کی یہ حدیث بھی نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد کچھ نالائق لوگ جانشین بنیں گے، وہ زبان سے جو کہیں گے، وہ کریں گے نہیں۔ اور جو ان سے ہاتھ سے جہاد کرے گا تو وہ مومن ہے، جو ان سے زبان سے جہاد کرے گا تو وہ مومن ہے، اور جو ان سے دل سے جہاد کرے گا تو وہ مومن ہے، اور اس کے بعد تو رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔

ابو الحسن علوی

کیا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، اسلام لانے کے بعد شراب پیتے تھے؟

محمد علی مرزا صاحب اپنے ایک کتابچے ”واقعہ کربلا کا حقیقی پس منظر: 72 صحیح الاسناد احادیث کی روشنی میں“ میں حدیث نمبر 31 کے تحت مسند احمد کی ایک روایت کے ترجمے میں ڈنڈی مارتے ہوئے یہ الزام لگاتے ہیں کہ معاذ اللہ، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، اسلام لانے کے بعد شراب پیتے تھے۔ مرزا صاحب نے مسند احمد کی روایت کا غلط ترجمہ یوں نقل کیا ہے:

"سیدنا عبد اللہ بن بریدہ تابعی رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ میں اور میرے والد سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس ملنے گئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہمیں فرشی نشست [یعنی قالین] پر بٹھایا، پھر کھانا لایا گیا جو ہم نے تناول کیا، پھر ہمارے سامنے ایک مشروب لایا گیا جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پینے کے بعد [وہ مشروب والا برتن] میرے والد کو پکڑا دیا تو انھوں نے [سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ] نے فرمایا: ”جب سے اس مشروب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا ہے، تب سے میں نے کبھی اسے نوش نہیں کیا۔“ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: میں قریشی نوجوانوں میں سب سے حسین ترین اور خوبصورت دانتوں والا نوجوان تھا اور جوانی کے ان دنوں میں میرے لیے دودھ اور اچھے قصہ گو آدمی سے بڑھ کر کوئی چیز لذت آور نہیں ہوتی تھی۔"[1]

اس حدیث کا عربی متن یہ ہے:

حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ، حَدَّثَنِي حُسَيْنٌ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ بُرَيْدَةَ قَالَ: دَخَلْتُ أَنَا وَأَبِي عَلَى مُعَاوِيَةَ فَأَجْلَسَنَا عَلَى الْفُرُشِ، ثُمَّ أُتِينَا بِالطَّعَامِ فَأَكَلْنَا، ثُمَّ أُتِينَا بِالشَّرَابِ فَشَرِبَ مُعَاوِيَةُ، ثُمَّ نَاوَلَ أَبِي، ثُمَّ قَالَ: مَا شَرِبْتُهُ مُنْذُ حَرَّمَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ مُعَاوِيَةُ: كُنْتُ أَجْمَلَ شَبَابِ قُرَيْشٍ وَأَجْوَدَهُ ثَغْرًا، وَمَا شَيْءٌ كُنْتُ أَجِدُ لَهُ لَذَّةً كَمَا كُنْتُ أَجِدُهُ وَأَنَا شَابٌّ غَيْرُ اللَّبَنِ.[2]

---

[1] محمد علی مرزا، واقعہ کربلا کا حقیقی پس منظر: 72 صحیح الاسناد احادیث کی روشنی میں، نوجوانان اہل سنت اسلام آباد، اسلام آباد، 2017ء، ص 15

[2] أحمد بن حنبل الشيباني، مسند أحمد، مؤسسة الرسالة، بيروت، 2001 م، 38/25-26

مرزا صاحب نے اپنے ترجمے میں بریکٹس میں جو اضافے کیے ہیں، وہ عربی متن میں نہیں ہیں۔ عربی متن میں یہ بات موجود نہیں ہے کہ سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ نے یہ کہا تھا: "جب سے اس مشروب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا ہے، تب سے میں نے کبھی اسے نوش نہیں کیا۔" عربی متن میں صرف یہ موجود ہے کہ "اُس" نے یہ کہا۔ اور یہ "اُس" سے مراد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ تو حدیث کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مشروب پینے کے بعد برتن سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ کو پکڑاتے ہوئے کہا کہ "جب سے اُس مشروب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا ہے، تب سے میں نے کبھی اُسے نوش نہیں کیا۔"

اب صحیح ترجمے کے حدیث کے اصل معنی سمجھیں:

- پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر تو جس برتن سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پیا تھا، اس میں شراب ہوتی تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کبھی یہ نہ کہتے کہ "جب سے اُس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کیا" کیونکہ شراب کو تو قرآن مجید نے حرام کیا ہے یعنی اس کی حرمت کا اعلان قرآن مجید میں نازل ہوا ہے۔ تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے فقیہ صحابی سے بعید ہے کہ ایک چیز قرآن مجید میں حرام ہوئی ہو تو وہ یہ کہہ دیں کہ اسے سنت نے حرام قرار دیا ہے۔
- دوسری بات یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کے شربت کی بعض صورتوں سے منع کیا تھا کہ جسے "نشہ آور نبیذ" کہتے ہیں جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ تین دن تک نبیذ استعمال کرتے اور اس کے بعد جو بچ جاتا تھا تو اسے بہا دیتے تھے اور بچا کر نہ رکھتے تھے۔[3] تو مذکورہ بالا حدیث میں "ہ" ضمیر سے مراد "نبیذ" یعنی کھجور کا وہ مشروب ہے کہ جس میں کچھ خمار آ چکا ہو اور اس مشروب کے بارے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یہ کہہ رہے ہیں کہ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حرام قرار دیا ہے تو میں نے اسے استعمال نہیں کیا۔ تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر ان کے مخالفین نے الزام لگایا تھا، شراب نوشی کا

[3] مسلم بن الحجاج النيسابوري، المسند الصحيح المختصر بنقل العدل عن العدل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم المعروف بصحيح المسلم، كتاب الْأَشْرِبَةِ، بَابُ إِبَاحَةِ النَّبِيذِ الَّذِي لَمْ يَشْتَدَّ وَلَمْ يَصِرْ مُسْكِرًا، دار إحياء التراث العربي، بيروت، 1589/3

نہیں، اتنی جرات نہیں تھی کسی میں، بلکہ نبیذ پینے کا الزام تھا۔ اور نبیذ اصلا جائز تھی جیسا کہ بیان ہو چکا کہ عرب پانی میں کھجور یا انگور ڈال کر رکھ لیتے تھے تاکہ میٹھا شربت بن جائے تو اس کے پینے کی اجازت تھی جیسا کہ احادیث میں ہے[4] لیکن بعض اوقات ایک خاص وقت کے بعد یا دو قسم کی نبیذ یعنی کھجور اور انگور کی نبیذ کو ملانے سے اس مشروب میں سکر یعنی مدہوشی آجاتی تو اسے پینے سے رسول اللہ ﷺ نے منع کر دیا تھا۔[5]

- تیسری بات یہ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس مجلس میں جس مشروب کو پیا تھا تو وہ دودھ تھا جیسا کہ اسی روایت کے آخر میں دودھ کا ذکر لفظوں میں موجود ہے۔ اور اسی دودھ کے برتن کو سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھاتے ہوئے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے یہ بات کہی کہ "جب سے اُس مشروب کو رسول اللہ ﷺ نے حرام قرار دیا ہے، تب سے میں نے کبھی اُسے نوش نہیں کیا۔" یعنی اے بریدہ رضی اللہ عنہ! یہ دیکھ لیں کہ میرے گھر میں میرے دستر خوان پر وہ چیز نہیں پی جاتی کہ جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع کیا ہے یعنی نشہ آور نبیذ۔ اور میرے بارے وہ باتیں درست نہیں ہیں جو بعض لوگ پھیلا رہے ہیں کہ میں نشہ آور نبیذ پیتا ہوں۔ تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ جملہ اپنی صفائی میں کہا ہے۔ یہ جملہ سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ کا نہیں ہے۔ اور اس اسلوب کلام کو علم بلاغت میں اصطلاحاً "استطراد" کہتے ہیں۔[6]
- چوتھی بات یہ ہے کہ روایت کا آخری حصہ بتلاتا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تو یہ کہہ رہے ہیں کہ میں تو دور جاہلیت میں بھی دودھ کا شوقین تھا تو اے بریدہ رضی اللہ عنہ اسلام لانے کے بعد نبیذ میرا پسندیدہ مشروب کیسے ہو سکتا ہے! یہ بات زیادہ وضاحت کے ساتھ مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت میں ان الفاظ کے ساتھ نقل ہوئی ہے:

---

[4] صحيح مسلم، كتاب الْأَشْرِبَةِ، بَابُ كَرَاهَةِ انْتِبَاذِ التَّمْرِ وَالزَّبِيبِ مَخْلُوطَيْنِ، 1575/3

[5] أيضاً

[6] بهاء الدين السبكي، أحمد بن علي بن عبد الكافي، عروس الأفراح في شرح تلخيص المفتاح، المكتبة العصرية، بيروت، 2003 م، 239/2

فَقَالَ مُعَاوِيَةُ: «مَا شَيْءٌ كُنْتُ أَسْتَلِذُّهُ وَأَنَا شَابٌّ فَآخُذُهُ الْيَوْمَ إِلَّا اللَّبَنَ، فَإِنِّي آخُذُهُ كَمَا كُنْتُ آخُذُهُ قَبْلَ الْيَوْمِ»[7]

"امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے جوانی میں بھی دودھ سے زیادہ کچھ پسند نہ تھا اور آج بھی میں، دودھ ہی لے رہا ہوں جیسا کہ آج سے پہلے بھی میں دودھ ہی لیتا تھا۔"

تو مصنف ابن ابی شیبہ کی اس روایت میں اس مشروب کے لیے "دودھ" کے الفاظ واضح طور موجود ہیں۔ تو اتنے واضح الفاظ کے بعد کہ میں آج کے دن دودھ پی رہا ہوں، صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسا طعن کہ وہ شراب پیتے تھے، معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ۔

- پانچویں بات یہ ہے کہ مرزا صاحب کے پاس اس کی دلیل کیا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شراب پیتے تھے تو ان کی دلیل یہ ہے کہ اس روایت میں "شراب" کا لفظ آیا ہے۔ اور عربی زبان میں شراب کے لیے "خمر" کا لفظ آتا ہے نہ کہ "شراب" کا۔ اردو میں شراب کے لیے "شراب" کا لفظ ہے۔ عربی میں شراب کسے کہتے ہیں؟ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«لَقَدْ سَقَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَدَحِي هَذَا الشَّرَابَ كُلَّهُ: الْعَسَلَ وَالنَّبِيذَ، وَالْمَاءَ وَاللَّبَنَ»[8]

"میں نے اپنے اس برتن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر قسم کی شراب یعنی مشروب پلایا ہے؛ شہد بھی، نبیذ بھی، پانی بھی اور دودھ بھی۔"

تو حدیث مبارکہ کے مطابق عربی زبان میں شراب سے مراد پانی، نبیذ یا دودھ ہوتا ہے اور یہ تینوں دین اسلام میں حلال ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مرزا صاحب کا یہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر بہتان عظیم ہے کہ جس سے ان کو اعلانیہ توبہ کرنی چاہیے کیونکہ ہمارے دین نے عام مسلمان پر بھی ایسی تہمت لگانے سے منع کیا ہے، چہ جائے ان پر لگائی جائے جو صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوں، کاتب وحی

---

[7] أبو بكر بن أبي شيبة، الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار، مكتبة الرشد، الرياض، الطبعة الأولى، 1409هـ، 6/ 188

[8] صحيح مسلم، كتاب الْأَشْرِبَةِ، بَابُ إِبَاحَةِ النَّبِيذِ الَّذِي لَمْ يَشْتَدَّ وَلَمْ يَصِرْ مُسْكِرًا، 1591/3

ہوں، رسول اللہ ﷺ کے برادر ان لاء (brother in law) ہوں، امیر المومنین ہوں، اور جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر جہاد و قتال کیا ہو۔

کیا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اسلام لانے کے بعد حرام اشیاء استعمال کرتے تھے؟

مرزا صاحب نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام لگایا ہے کہ وہ اسلام لانے کے بعد حرام امور کا ارتکاب کرتے تھے یعنی آسان الفاظ میں ان کی نظر میں وہ فاسق و فاجر شخص تھے کیونکہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کو فاسق و فاجر ہی کہا جاتا ہے۔ مرزا صاحب اپنے کتابچے "واقعہ کربلا کا حقیقی پس منظر" کے تیسرے باب میں حدیث نمبر 31 کے تحت سنن ابو داود کی ایک روایت کا ترجمہ بیان کرتے ہوئے یہ تاثر دیتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں حرام اشیا مثلاً ریشم، سونا اور درندوں کی کھال بطور قالین استعمال ہوتی تھی۔ مرزا صاحب نقل کرتے ہیں کہ مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا:

> "اے معاویہ رضی اللہ عنہ! اگر میں سچ بیان کروں تو میری تصدیق کر دینا اور اگر جھوٹ بولوں تو میری تردید کر دینا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ چنانچہ سیدنا مقدام رضی اللہ عنہ نے پوچھا: میں تجھے اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ تو نے خود رسول اللہ ﷺ کو سونا پہننے سے منع فرماتے ہوئے سنا تھا؟ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں۔ پھر سیدنا مقدام رضی اللہ عنہ نے پوچھا: میں تجھے اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ تو نے خود رسول اللہ ﷺ کو ریشم پہننے سے منع فرماتے ہوئے سنا تھا؟ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں۔ پھر سیدنا مقدام رضی اللہ عنہ نے پوچھا: میں تجھے اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ تو نے خود رسول اللہ ﷺ کو درندوں کی کھالوں (کے لباس) کو پہننے سے اور ان پر (قالین کے طور) بیٹھنے سے روکا تھا؟ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں۔ پھر سیدنا مقدام رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالی کی قسم! اے معاویہ یہ سب (حرام اشیاء استعمال ہوتی ہوئی) میں نے تیرے گھر میں دیکھی ہیں۔"[9]

- پہلی بات تو یہ ہے کہ مرزا صاحب نے اس حدیث کی تحقیق میں علامہ البانی اور شیخ زبیر

---

[9] محمد علی مرزا، واقعہ کربلا کا حقیقی پس منظر: 72 صحیح الاسناد احادیث کی روشنی میں، ص 15

علی زئی رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس روایت کو "اسنادہ صحیح" کہا ہے۔[10] اور جب محدثین کسی حدیث کے بارے "اسنادہ صحیح" کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ حدیث "صحیح" ہے۔ اور یہ مرزا صاحب کی بنیادی ترین غلطی ہے کہ وہ "صحیح الاسناد" اور "صحیح" حدیث کا فرق نہیں جانتے۔ اور اپنی اسی ناواقفیت کے سبب اپنے کتابچے کا عنوان "واقعہ کربلا کا حقیقی پس منظر: 72 صحیح الاسناد احادیث کی روشنی میں" رکھ بیٹھے۔

- دوسری بات یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک "اسنادہ صحیح" کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ حدیث "صحیح" بھی ہے۔ اس کا مطلب صرف اتنا ہے کہ "صحیح" حدیث کی پانچ شرائط[11] میں سے پہلی تین شرائط کی ہم نے اس روایت میں تحقیق کر لی ہے کہ جن کا تعلق صرف سند سے ہے، باقی کی دو شرائط کہ جن کا تعلق سند اور متن سے ہے، اس کو دیکھنے کی ہمیں فرصت نہیں ملی، وہ تم دیکھ لو۔ یا آسان الفاظ میں ہم نے اس روایت کی آدھی تحقیق مکمل کر لی ہے، باقی کی دوسرے محققین پر چھوڑتے ہیں۔ اور ان دونوں مصطلحات کا یہ فرق حافظ ابن الصلاح رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔[12] اور ان کے بعد دیگر ائمہ نے بھی اس کو نقل کیا ہے جیسا کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ وغیرہ نے۔[13] تو ایسی حدیث کہ جس کی تحقیق ابھی نامکمل ہے، اسے آپ اپنے دعوی کی دلیل بنا رہے ہیں! یا تو پہلے اس

---

[10] ایضاً

[11] سند میں تمام راوی عادل ہوں، تمام راوی ضابط ہوں، سند متصل ہو، حدیث کی سند یا متن شاذ نہ ہو اور اس میں علت نہ ہو۔ آخری دو شرائط کا تعلق زیادہ تر متن سے ہے۔

[12] قَوْلُهُمْ "هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ، أَوْ حَسَنُ الْإِسْنَادِ" دُونَ قَوْلِهِمْ: "هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ أَوْ حَدِيثٌ حَسَنٌ" لِأَنَّهُ قَدْ يُقَالُ: "هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ"، وَلَا يَصِحُّ، لِكَوْنِهِ شَاذًّا أَوْ مُعَلَّلًا. [ابن الصلاح، عثمان بن عبد الرحمن، معرفة أنواع علوم الحديث، دار الفكر المعاصر، بيروت، 1986م، ص 38]

[13] صحة الإسناد لا يلزم منها صحة الحديث: قال: والحكم بالصحة أو الحسن على الإسناد لا يلزم منه الحكم بذلك على المتن، إذ قد يكون شاذاً أو معللاً. [ابن كثير، إسماعيل بن عمر، الباعث الحثيث إلى اختصار علوم الحديث، دار الكتب العلمية، بيروت، ص 43]

کی تحقیق مکمل کرتے تو پھر بھی کوئی بات تھی۔

- تیسری بات یہ ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے اس کتابچے میں حدیث کی تحقیق کے ضمن میں چند محققین کی تحقیقات کو اپنا مصدر بنایا ہے کیونکہ خود تو انہیں کچھ آتا جاتا نہیں ہے اور وہ اس کا اقرار بھی کرتے ہیں کہ دینی علوم جو کہ مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں، ان کے پڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ سب کچھ اردو میں دستیاب ہے۔ تو جن اہل علم کی حدیث کی تحقیق مرزا صاحب نے اپنے کتابچے میں ذکر کی ہے، ان میں علامہ البانی، شیخ شعیب ارنووط، شیخ زبیر علی زئی رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں۔ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ جب ان حضرات میں کسی حدیث کی تحقیق میں اختلاف ہو جاتا ہے تو پھر مرزا صاحب کے ہاں ذاتی پسند و ناپسند کے علاوہ کوئی دوسرا اصول نظر نہیں آتا کہ جس کے تحت وہ ایک محقق کی تحقیق قبول کر رہے ہوں اور دوسرے کی چھوڑ دیں۔ مثال کے طور پر اسی روایت کو علامہ البانی رحمہ اللہ نے اگر "صحیح الاسناد" کہا ہے تو شیخ شعیب ارنؤوط رحمہ اللہ نے اسی روایت کو "إسناده ضعیف" کہا ہے[14] یعنی اس کی سند ضعیف ہے لیکن مرزا صاحب نے شیخ شعیب ارنؤوط رحمہ اللہ کی تحقیق نقل نہیں کی کیونکہ وہ ان کے سوچے سمجھے نتائج کے خلاف تھی اور اپنے قارئین سے وہ ان کی تحقیق کو چھپانا چاہتے تھے۔ تو خلاصہ کلام یہی ہے کہ اول تو اس روایت کی تصحیح اور تضعیف میں اختلاف ہے تو ایک اختلافی حدیث کو آپ کیسے بنیادی دلیل بنا سکتے ہیں جبکہ اختلاف کرنے والے محقق، آپ کے مصادر تحقیق میں بھی شامل ہوں۔ دوسرا اگر ہم علامہ البانی اور شیخ زبیر علی زئی رحمہما اللہ کی تحقیق پر بھی اعتماد کر لیں تو بھی یہ روایت "صحیح" درجے کی روایت نہیں ہے بلکہ اس سے کم تر درجے کی روایت ہے یعنی "صحیح الاسناد" روایت ہے جو صحیح اور ضعیف روایت کے مابین ایک درجہ ہے۔ تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے یہ الزام ثابت نہیں ہے بلکہ صحیح

[14] أبو داود، سليمان بن الأشعث السِّجِسْتاني، سنن أبي داود، المحقق: شعَيب الأرنؤوط، دار الرسالة العالمية، بيروت، 2009 م، 219/6

روایات تو اس کے خلاف ہیں۔

- چوتھا نکتہ یہ ہے کہ مرزا صاحب نے اگر یہاں اس روایت میں علامہ البانی رحمہ اللہ کی تحقیق لی ہے تو اپنے اسی کتابچے میں انہوں نے بعض مقامات پر بعض احادیث کی تحقیق کے معاملے میں علامہ البانی رحمہ اللہ کے قول کو چھوڑ دیا ہے کیونکہ وہ ان کے مزعومہ نتائج کے خلاف تھی۔ مرزا صاحب کی یہ ساری تحقیق pick and choose کے اصول پر کھڑی ہے اور اس میں تعصب بہت زیادہ موجود ہے۔ اسی طرح امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی اس روایت کو "منکر" کہا ہے،[15] چلیں امام کثیر رحمہ اللہ تو مرزا صاحب کے کتابچے کے مصادر میں نہیں ہیں لیکن شیخ شعیب ارنووط رحمہ اللہ تو ہیں ناں۔ تو جو شخص مرزا صاحب کے مصادر میں ہے، اسے بھی وہ مکمل نقل نہیں کرتے، صرف اپنی مرضی کے نتائج کے لیے نقل کرتے ہیں، بھلے وہ علامہ البانی ہو، شیخ شعیب ارنووط ہو، یا شیخ زبیر علی زئی ہوں رحمہم اللہ۔ تو مرزا صاحب نے اپنے کتابچے میں مختلف محققین کی تحقیق میں سے اپنے نتائج سے میل کھانے والی تحقیقات اٹھا کر ایک کھچڑی پکائی ہے اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ اس کھچڑی کی نسبت ان سب محققین کی طرف کرنے کا تاثر بھی دیے جا رہے ہیں۔
- پانچویں بات یہ ہے کہ معجم الطبرانی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ دے کر کہا کہ اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نو چیزوں سے منع کیا اور میں بھی تمہیں ان نو چیزوں سے منع کرتا ہوں؛ نوحہ کرنے سے، شعر سے، دور جاہلیت کی طرح عورتوں کے بن سنور کر باہر نکلنے سے، تصاویر سے، درندوں کی کھالوں سے، موسیقی سے، سونے سے، بدکاری سے اور ریشم سے۔[16] اس روایت کو علامہ البانی رحمہ اللہ نے "صحیح" کہا ہے[17] لیکن مرزا صاحب کو اپنے کتابچے میں یہ روایت نقل کرنے کی

---

[15] ابن كثير، إسماعيل بن عمر، البداية والنهاية، دار الفكر، بيروت، 1986 م، 36/8

[16] الطبراني، سليمان بن أحمد، المعجم الكبير، مكتبة ابن تيمية، القاهرة، الطبعة الثانية، 1994 م، 373/19

[17] الألباني، ناصر الدين، صحيح الجامع الصغير وزياداته، المكتب الإسلامي، بيروت، 1163/2-1164

توفیق نہ ہوئی کیونکہ یہ ان کے مقصد کے خلاف جا رہی ہے اور وہ مقصد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو گندا کرنا ہے۔ پھر اس روایت کو علامہ البانی رحمہ اللہ نے "صحیح الاسناد" بھی نہیں بلکہ "صحیح" کہا ہے اور علامہ البانی رحمہ اللہ ان کے کتابچے کے مصادر میں ہیں۔ تو ایک ہی موضوع پر ایک ہی محقق سے "صحیح" روایت مرزا صاحب نے نہ لی لیکن اس سے درجے میں کم "صحیح الاسناد" روایت لے لی، کیوں؟

- چھٹی بات یہ کہ جب مرزا صاحب ایک موضوع پر ایک روایت لے آئے ہیں تو دیانت کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس کے خلاف اگر کوئی روایت موجود ہے تو اس کا بھی ذکر کریں اور حق بات نہ چھپائیں۔ لہٰذا اس کتابچے کے پہلے صفحہ پر مرزا صاحب نے جو الزام علماء کو دیا ہے کہ وہ حق بات چھپاتے ہیں، تو اس کتابچے کے مطالعے سے صاف نظر آرہا ہے کہ یہی کام مرزا صاحب نے پورے دھڑلے سے اس کتابچے میں کیا ہے۔ تو یہ کتابچہ تحقیق کے کن اصولوں پر مرتب ہوا ہے؟ ایک ہی اصول ہے؟ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی بھی طرح سے عدالت اور کردار میں گندا ثابت کرنا ہے۔ لہٰذا وہ ان کے بارے میں مروی ہر اچھی بات چھپا لیتے ہیں یا پھر اس کی من گھڑت تاویل کر دیتے ہیں حالانکہ وہ صحیح روایات سے ثابت ہوتی ہے۔ اور ان کے بارے ہر گھٹیا بات نقل کرنے میں پیش پیش ہوتے ہیں حالانکہ وہ بات جن روایات میں مروی ہوتی ہے، وہ روایات صحیح نہیں ہوتی ہیں یا ضعیف ہوتی ہیں۔
- اس کتابچے کی ایک اور بات جو نوٹ کرنے والی ہے، وہ یہ کہ مرزا صاحب جب جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یا ان کے ساتھی اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم مثلاً عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ وغیرہ کا تذکرہ کرتے ہیں تو ان کے ساتھ "سیدنا" کا لفظ نہیں لکھتے لیکن جب جب کسی دوسرے صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ آتا ہے تو ہر جگہ ان کے نام کے ساتھ "سیدنا" کا اضافہ کرتے ہیں حالانکہ یہی معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سابقہ کتابچے "رافضیت، ناصبیت اور یزیدیت کا تحقیقی " میں "سیدنا" لکھتے رہے ہیں۔ یہ دوسرا

کتابچہ نومبر 2012ء میں شائع ہوا ہے کہ جس میں مرزا صاحب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو "سیدنا" لکھتے رہے، اور ان کی غلطی کو اجتہادی خطا کہتے رہے، اور یہ بھی لکھتے رہے کہ جنگ جمل اور جنگ صفین میں شامل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالفین صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایک گنا اجر ملے گا۔[18] ان کا چار صفحوں کا یہ تحقیقی مقالہ ریسرچ پیپر (5a) کہلاتا ہے لیکن اسی ریسرچ پیپر کی دوسری قسط یعنی (5b) بعنوان "واقعہ کربلا کا حقیقی پس منظر: 72 صحیح الاسناد احادیث کی روشنی میں" ان کا یہ موقف تبدیل ہو چکا تھا اور "سیدنا" معاویہ رضی اللہ عنہ اب نہ صرف محض معاویہ رضی اللہ عنہ بن چکے تھے بلکہ وہ شرابی، بدعتی، فاسق وفاجر یعنی گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے اور باغی بھی تھے بلکہ واجب القتل بھی تھے۔ ٹھیک ہے کہ ایک سوچنے سمجھنے والے انسان کے موقف میں ارتقاء ہوتا ہے لیکن سمجھدار انسان علی الاعلان اپنے پہلے موقف سے رجوع کرتا ہے اور پھر یہ کہتا ہے کہ اب میں دوسرا موقف اختیار کرنے جا رہا ہوں۔ تو ان کے ریسرچ پیپر (5b) میں ایسی کوئی چیز نہیں ملتی کہ انہوں نے (5a) سے رجوع کیا ہو بلکہ دونوں کا نام ہی بتلا رہا ہے کہ ان کی نظر میں دوسرا پہلے کا تتمہ ہے لیکن دونوں میں ان کی طرف سے پیش کردہ موقف کا تقابلی جائزہ لیں تو تضادات کا مجموعہ ہے۔ تو کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ایک بندہ اگر اتنا بے وقوف ہو کہ اسے یہ بھی نہ معلوم ہو سکے کہ اس کا پہلا موقف کچھ تھا اور دوسرا کچھ ہے اور وہ پہلے کو اجمال اور دوسرے کو تفصیل بناتا رہے حالانکہ دونوں متضاد موقف ہوں تو اس کی تحقیق کا لیول کیا ہو گا!

کیا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منبر پر گالیاں دی جاتی تھیں؟

مرزا صاحب نے اپنے کتابچے "واقعہ کربلا کا حقیقی پس منظر" کے چوتھے باب بعنوان "چوتھے خلیفہ راشد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے فضائل کا بیان اور ان پر منبروں سے لعنت کرنے کی بدعت کب اور

---

[18] محمد علی مرزا، رافضیت، ناصبیت اور یزیدیت کا تحقیقی جائزہ، نوجوانان اہل سنت اسلام آباد، اسلام آباد، 2012ء، ص 3

کس نے ایجاد کی ؟" میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں ان کے حکم پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منبروں پر گالیاں دی جاتی تھیں۔[19] مرزا صاحب کا یہ کتابچہ چھ ابواب پر مشتمل ہے کہ جس کا دوسرا بڑا باب یہ ہے جبکہ اس کتابچے کے سب سے بڑے باب میں مرزا صاحب نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو باغی اور بدعتی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

اور دونوں ابواب مل کر نصف سے زیادہ کتابچے کے مواد پر مشتمل ہیں کہ کتابچہ 32 صفحات کا ہے اور دونوں ابواب 17 صفحات کے ہیں اور بقیہ ابواب میں بھی روایات کی بڑی تعداد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق ہے کہ جنہیں مرزا صاحب سے کھینچ تان کر، کبھی بریکٹس کی صورت ترجمے میں مذموم اضافے کر کے اور کبھی گھٹیا قسم کے فٹ نوٹس لگا کر، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے ہر مثبت بات کو بھی منفی بنا دیا ہے۔ کتابچہ واقعہ کربلا کا پس منظر کم اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف چارج شیٹ زیادہ معلوم ہوتا ہے بلکہ اس کتابچے کا صحیح عنوان "امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف چارج شیٹ" ہی بنتا ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے تئیں، اس امت میں پیدا ہونے والے ہر فساد کی جڑ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ تو واقعہ کربلا کا حقیقی پس منظر بیان کرتے کرتے چھ میں سے پانچ ابواب تو مرزا صاحب نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر لگا دیے اور آخر ایک باب میں یزید کا تذکرہ کر دیا تو گویا واقعہ کربلا کا یہ طویل پس منظر ذکر کر کے مرزا صاحب یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ کربلا میں ہونے والے ظلم عظیم کے اصل ذمہ دار یزید کم اور ان کے والد محترم زیادہ ہیں جو اس وقت دنیا میں تھے ہی نہیں، معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ۔ اور یہ سارا کتابچہ آپ پڑھ لیں تو اسے پڑھ کر یہی تاثر قائم ہوتا ہے کہ لوگ کربلا کا الزام یزید کو دیتے ہیں حالانکہ اصلاً تو اس الزام کے حقدار تو ان کے والد محترم تھے کہ جنہوں نے وہ ساری بیک گراؤنڈ بنائی تھی کہ جس کی وجہ سے کربلا کا سانحہ ہوا۔ اور اگر ذرا زیادہ غور سے دیکھیں تو اس کتابچے میں مرزا صاحب کا یزید کے بارے لب ولہجہ، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نسبت نرم نظر آتا ہے، بھلے وہ ان کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ لکھتے رہے ہوں لیکن ان کی عبارتیں ان کے جذبات کی صراحتاً چغلی کھا رہی ہیں لیکن فی الحال یہ میرا

---

[19] محمد علی مرزا، واقعہ کربلا کا حقیقی پس منظر: 72 صحیح الاسناد احادیث کی روشنی میں، ص 19-23

موضوع نہیں ہے۔

تو اپنے اس دعوی کے ثبوت میں مرزا صاحب نے جن روایات کو نقل کیا ہے، انہیں ہم راویوں کے اعتبار سے پانچ قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ پہلی قسم کی روایات سعد بن ابی وقاص رضی عنہ سے ہیں۔ صحیح مسلم کی روایت میں ہے؛

«أَمَرَ مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ سَعْدًا فَقَالَ: مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسُبَّ أَبَا التُّرَابِ؟»[20]

اس روایت کا غلط ترجمہ مرزا صاحب یوں کرتے ہیں کہ امیر معاویہ نے، سعد بن ابی وقاص کو حکم دیا کہ علی رضی اللہ عنہم کو گالی دیں لیکن انہوں نے انکار کر دیا[21] حالانکہ روایت میں یہ کہیں موجود نہیں ہے۔«أَمَرَ مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ سَعْدًا» کا معنی یہ ہے کہ امیر معاویہ نے، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما کو امیر حج مقرر کیا۔ تو عربی زبان میں " أَمَرَ " کا معنی حکم دینا بھی ہے اور امیر بنانا بھی اور یہاں اس کا معنی امیر بنانا ہے کیونکہ یہ واقعہ حج کے موقع کا ہے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سعد بن بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو حج امیر بنایا بھی تھا۔ تو اس مادے کا یہ معنی ثلاثی مجرد سے بھی منقول ہے اور باب تفعیل سے بھی اور باب تفعیل میں تو یہ معنی بالکل واضح ہے۔ اور اگر اس لفظ کا معنی حکم دینا بھی لے لیا جائے تو روایت میں موجود الفاظ کا معنی بنتا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو حکم دیا۔ اب حکم کیا دیا؟ اس بارے روایت میں کچھ موجود نہیں ہے۔ لہٰذا حکم دینا اس کا معنی بنتا نہیں ہے بلکہ صحیح معنی یہی ہے کہ امیر معاویہ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما کو امیر بنایا ہے۔ اور امیر بنانے سے مراد امیر حج ہے کہ اس کی تفصیل کتب تاریخ میں موجود ہے۔

یہ بات تو اس روایت کے پہلے جملے کے بارے ہو گئی جبکہ دوسرے جملے میں یہ ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے سوالیہ انداز میں پوچھا کہ «مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسُبَّ أَبَا التُّرَابِ؟» کہ آپ کو ابو تراب کو برا بھلا کہنے سے کس چیز نے روک رکھا ہے؟ تو یہ ایک سوال

---

[20] صحیح مسلم، کتاب فَضَائِلِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمْ، بَابُ مِنْ فَضَائِلِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، 1870/4

[21] محمد علی مرزا، واقعہ کربلا کا حقیقی پس منظر: 72 صحیح الاسناد احادیث کی روشنی میں، ص 19

ہے نہ کہ کوئی حکم جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ نے بھی وضاحت کی ہے۔[22] دوسرا یہ کہ سوال یہ واضح کر رہا ہے کہ پہلے جملے میں بھی گالی دینے کا حکم مراد نہیں تھا بلکہ مراد امیر بنانا تھا۔ تیسرا یہ کہ "سبّ" کا لفظ استعمال ہوا ہے کہ جس کا معنی نامناسب الفاظ میں تذکرہ کرنا ہے جیسا کہ **"سبّابة"** شہادت کی انگلی کو کہتے ہیں اور عرب کسی کو عار دلانے کے لیے اس انگلی سے اشارہ کرتے تھے۔[23] صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

«أَيُّ عَبْدٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ سَبَبْتُهُ أَوْ شَتَمْتُهُ أَنْ يَكُونَ ذَلِكَ لَهُ زَكَاةً وَأَجْرًا»[24]

"اے اللہ! جس مسلمان کو بھی میں نے سب وشتم کیا یعنی اس پر تنقید کی، تو میرے اس عمل کو اس کے لیے گناہوں کی معافی اور اجر کا ذریعہ بنادے۔"

تو سب وشتم کا معنی تنقید بھی ہے۔اب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے یہ سوال کیوں پوچھا کہ آپ ان پر تنقید کیوں نہیں کرتے ہیں؟ تو اس کی توجیہات مختلف ہو سکتی ہیں۔ یہ بھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وہ کیا خواص ہیں کہ جن کی وجہ سے آپ ان پر نقد نہیں کرتے جبکہ کچھ اور لوگ کر رہے ہیں جیسا کہ سنن ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حج کے لیے تشریف لائے تھے تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ان کے پاس حاضر ہوئے۔ مجلس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر چھڑ گیا تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قاتلین عثمان سے قصاص نہ لینے کے حوالے سے ان پر نقد کی تو اس سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما سخت غصے ہو گئے اور جواب میں انہوں نے یعنی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے تین فضائل بیان فرمائے کہ جن کی وجہ سے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر نقد کو کسی بھی صورت جائز نہیں سمجھتے تھے۔[25] تو اہم بات یہ بھی ہے کہ خود امیر معاویہ

---

[22] النووي، يحيى بن شرف، المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج، دار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الثانية، 1392هـ، 175/15

[23] الزَّبيدي، محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق الحسيني، تاج العروس من جواهر القاموس، دار الهداية، بيروت، 35/3

[24] صحيح المسلم، كتاب الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالْآدَابِ بَابُ مَنْ لَعَنَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَوْ سَبَّهُ، أَوْ دَعَا عَلَيْهِ، وَلَيْسَ هُوَ أَهْلًا لِذَلِكَ، كَانَ لَهُ زَكَاةً وَأَجْرًا وَرَحْمَةً، 2009/4

[25] ابن ماجة، محمد بن يزيد القزويني، سنن ابن ماجة، باب فِي فَضَائِلِ أَصحَابِ رَسُولِ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَضْلِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، دار الرسالة العالمية، بيروت، 2009 م، 88/1

رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں ایسے صحابہ موجود تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر نقد برداشت نہیں کرتے تھے اور ان کا دفاع کرتے تھے۔ تو ثابت شدہ بات یہی ہے کہ کسی بھی صحیح حدیث سے یہ ثابت نہیں ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کبھی بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالی دینے یا ان پر تنقید کرنے کا حکم جاری کیا ہو۔ ہاں، یہ بات درست ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر یہ نقد ضرور کرتے تھے کہ انہوں نے قاتلین عثمان سے قصاص نہیں لیا اور یہی اس حدیث میں بھی مراد ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ وہ سب وشتم تھا کیا جو کبھی منبر پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کسی ساتھی کی طرف سے ہو گیا تو یہ دوسری قسم کی روایات سے واضح ہوتا ہے جو سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے ہیں جیسا کہ صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص ان کے پاس آکر کہنے لگا کہ مدینے کا گورنر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منبر پر برا بھلا کہتا ہے تو سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے کہا:

«فَيَقُولُ: مَاذَا؟ قَالَ: يَقُولُ لَهُ: أَبُو تُرَابٍ فَضَحِكَ، قَالَ: وَاللَّهِ مَا سَمَّاهُ إِلَّا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا كَانَ لَهُ اسْمٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْهُ»[26]

"وہ کیا برا بھلا کہتا ہے؟ تو اس شخص نے کہا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابو تراب کہتا ہے۔ تو سہل بن سعد رضی اللہ عنہ یہ سن کر مسکرا پڑے۔ اور انہوں نے کہا کہ یہ نام تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے اور یہ انہیں محبوب بھی بہت تھا۔"

تو یہ بات درست ہے کہ امیر مدینہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے یہ الفاظ بطور نقد استعمال کیے تھے لہٰذا اس کا یہ عمل بالکل غیر مناسب تھا۔ لیکن کہنے کا مقصد یہ ہے کہ مرزا صاحب جو یہ تاثر دیتے نظر آتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بر سر منبر گالیاں دی جاتی تھیں اور لوگوں کے ذہنوں میں پنجابی کی گالیاں آجاتی ہیں تو تاثر دینا لوگوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالے سے گمراہ کرنے کے مترادف ہے۔ تو اکا دکا ایسے واقعات ضرور ہوئے ہیں کہ کسی مجلس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر نقد ہوئی ہے لیکن بر سر منبر گالیاں دینے کا کوئی اسٹیٹ آڈر (state order) جاری ہوا تھا تو یہ بہتان

---

[26] الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه وأيامه = صحيح البخاري، كتاب أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، بَابُ مَنَاقِبِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ القُرَشِيِّ الهَاشِمِيِّ أَبِي الحَسَنِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، دار طوق النجاة، مصر، الطبعة الأولى، 1422هـ، 18/5

عظیم ہے۔ اور اسی طرح جو نقد ہوئی بھی تو اس میں بھی الفاظ غیر مناسب نہیں تھے بلکہ انداز غیر مناسب تھا جیسا کہ ابو تراب کہہ کر مخاطب کیا۔

تیسری قسم کی روایات کا مرکزی راوی عبد اللہ بن ظالم ہے جو سعید بن زید سے روایت کرتا ہے، رضی اللہ عنہ۔ عبد اللہ بن ظالم کی روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے خطباء مقرر کیے ہوئے تھے جو لوگوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر لعنت بھیجنے کا حکم کرتے تھے۔[27] لیکن اس معاملے میں عبد اللہ بن ظالم کی روایات قابل قبول نہیں ہیں کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ کا کہنا ہے:

"عَبْدُ اللهِ بْنُ ظَالِمٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا يَصِحُّ"[28]

"عبد اللہ بن ظالم کی سعید بن زید سے روایات، صحیح نہیں ہیں۔"

چوتھی قسم کی روایات کا مرکزی راوی ابو عبد اللہ الجدلی ہے۔[29] اس کی روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنا عام فعل تھا۔ ابو عبد اللہ الجدلی کے بارے ابن سعد رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وكان شديد التشيع."[30]

"وہ کٹر شیعہ ہے۔"

امام ذہبی رحمہ اللہ اس کے بارے کہتے ہیں:

"شيعي بغيض."[31]

---

[27] محمد علی مرزا، واقعہ کربلا کا حقیقی پس منظر: 72 صحیح الاسناد احادیث کی روشنی میں، ص 22

[28] العقيلي، محمد بن عمرو بن موسى، الضعفاء الكبير، دار المكتبة العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، 1984م، 267/2

[29] محمد علی مرزا، واقعہ کربلا کا حقیقی پس منظر: 72 صحیح الاسناد احادیث کی روشنی میں، ص 23

[30] ابن سعد، أبو عبد الله محمد الهاشمي، الطبقات الكبرى، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، 1990 م، 248/6

[31] الذهبي، محمد بن أحمد بن عثمان، ميزان الاعتدال في نقد الرجال، دار المعرفة، بيروت، الطبعة الأولى، 1963 م، 544/4

"بغض رکھنے والا شیعہ ہے۔"

اور راوی اگر بدعتی ہو اور اس کی روایت اس کی بدعت کے حق میں ہو تو اس کی ایسی روایت قابل قبول نہیں ہوتی، یہ محدثین کا معروف اصول ہے لہٰذا اس مسئلے میں اس راوی کی روایات مردود ہیں[32] کیونکہ وہ شیعہ راوی ہے بلکہ متعصب شیعہ ہے اور روایت بھی ایسی نقل کر رہا ہے جو اس کے عقیدے کو اسپورٹ کرتی ہے۔

پانچویں قسم کی روایت قیس بن ابی حازم رحمہ اللہ کی ہیں جو خود مرزا صاحب کے موقف کے خلاف دلیل بن رہی ہیں۔ اس روایت کے مطابق ایک گھڑ سوار مدینہ منورہ کے ایک بازار میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لعن طعن کر رہا تھا تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا ادھر سے گزر ہوا تو انہوں نے اس کے خلاف بد عا کی تو اس کے گھوڑے نے اسے زمین کے بل پٹخ دیا اور اس کی وفات ہو گئی۔[33] تو یہ روایت تو یہ بتلاتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لعن طعن کرنے کا انجام موت کے عذاب کی صورت نکلتا تھا تو پھر کسی کو کیسے جرات ہو سکتی تھی کہ وہ انہیں بر سر منبر لعن طعن کرے! رہی یہ منطقی دلیل کہ انہوں نے آپس میں جنگ وجدال کر لیا تو گالم گلوچ کیوں نہ کی ہو گی؟ تو اس سے فضول کوئی دلیل نہیں ہے۔ کیا دنیا میں ہر قتل کرنے والا اپنے مقتول کو پہلے گالی دیتا ہے؟ تو ایسا نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر جو بھی الزامات عائد کیے گئے ہیں کہ وہ شراب پیتے تھے یا ریشم، سونے اور درندوں کی کھال کو بطور لباس اور قالین استعمال کرتے تھے یا وہ سنت کو چھوڑ کر اس کی جگہ اپنی رائے کو جاری کرتے تھے یا انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بر سر منبر لعن طعن کرنے کا ریاستی حکم نامہ جاری کیا ہوا تھا، تو ان میں سے کوئی بھی الزام پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا ہے۔ اور اس موضوع میں جن روایتوں کو مدار استدلال بنایا گیا ہے، وہ ضعیف اور غیر ثابت شدہ روایات ہیں۔ دوسرا جو روایات صحیح بھی ہیں تو ان کی شرح ووضاحت میں ڈنڈی ماری

[32] الخطيب البغدادي، أحمد بن علي، الكفاية في علم الرواية، المكتبة العلمية، المدينة المنورة، ص 121

[33] محمد علی مرزا، واقعہ کربلا کا حقیقی پس منظر: 72 صحیح الاسناد احادیث کی روشنی میں، ص 20

گئی ہے کہ ان روایات سے ایسا کچھ مفہوم نہیں نکلتا جو ان کے ناقدین نکالنا چاہ رہے ہیں۔

کیا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بدعتی تھے؟

مرزا صاحب نے اپنے کتابچے "واقعہ کربلا کا حقیقی پس منظر" میں جا بجا یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سنت کو ختم کر کے اپنی بدعات کو رواج دینے کے لیے کوشاں تھے۔ مرزا صاحب اپنے اس کتابچے کے تیسرے باب میں، حدیث نمبر 29 اور 30 کے تحت دو حدیثیں بیان کرتے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں فطرانہ ایک صاع نکالا کرتے تھے یہاں تک امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حج یا عمرہ کے تشریف لائے تو انہوں نے کہا:

> "میں سمجھتا ہوں کہ شامی گندم کے 2 مد (نصف صاع)، ایک صاع کھجور کے برابر ہیں۔ چناچہ لوگوں نے بھی اسی (رائے اور اجتہاد) پر عمل شروع کر دیا تو سیدنا ابو سعید رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: کہ میں تو زندگی بھر اسی طرح (سنت کے مطابق فطرانہ ایک صاع ہی) نکالتا رہوں گا جیسا کہ میں زندگی بھر نکالتا رہا ہوں۔"[34]

اس روایت کا ترجمہ بیان کرتے ہوئے بھی مرزا صاحب نے بریکٹس میں ایسے اضافے کیے ہیں کہ جن سے یہ تاثر دیا کہ لوگ سنت کو چھوڑ کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے پر عمل کرتے تھے حالانکہ عربی متن میں ایسے کچھ الفاظ نقل نہیں ہوئے ہیں جیسا کہ "رائے اور اجتہاد" اور "سنت کے مطابق فطرانہ ایک صاع ہی" کے الفاظ عربی متن میں نہیں ہیں جبکہ مرزا صاحب نے بریکٹس لگا کر ان کا حدیث میں اضافہ کیا ہے۔[35] اور پھر رائے اور اجتہاد کو ایک ساتھ بریکٹ کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ جیسے اجتہاد، سنت کے خلاف رائے رکھنے کا دوسرا نام ہے۔

---

[34] محمد علی مرزا، واقعہ کربلا کا حقیقی پس منظر: 72 صحیح الاسناد احادیث کی روشنی میں، ص 14

[35] قَالَ: «إِنِّي أَرَى أَنَّ مُدَّيْنِ مِنْ سَمْرَاءِ الشَّامِ، تَعْدِلُ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ» فَأَخَذَ النَّاسُ بِذَلِكَ قَالَ أَبُو سَعِيدٍ: «فَأَمَّا أَنَا فَلَا أَزَالُ أُخْرِجُهُ كَمَا كُنْتُ أُخْرِجُهُ، أَبَدًا مَا عِشْتُ» [صحیح مسلم، كِتَاب الزَّكَاةِ، بَابُ زَكَاةِ الْفِطْرِ عَلَى الْمُسْلِمِينَ مِنَ التَّمْرِ وَالشَّعِيرِ، 678/2]

بہر حال امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ طرز عمل سنت کی مخالفت نہیں بلکہ سنت کا معنی متعین کرنے کے لیے ایک اجتہاد ہے جو انہوں نے کیا جیسا کہ بہت سے فقہا اور ائمہ، سنت کا معنی متعین کرنے کے لیے اجتہاد کرتے ہیں اور بعض دوسرے علما جو سنت کے ظاہر معنی کی پیروی کر رہے ہوتے ہیں تو وہ انہیں بعض اوقات سنت کو ترک کرنے کا طعنہ بھی دے دیتے ہیں جبکہ امر واقعہ میں ایسا نہیں ہوتا کہ انہوں نے سنت کو ترک کیا ہو بلکہ وہ سنت کا ایک گہرا مفہوم متعین کر کے اس کی پیروی کی دعوت دے رہے ہوتے ہیں۔

تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کو اس طرح سے سمجھا جا سکتا ہے کہ ان کے نزدیک فطرانے میں اصل پیمانہ نہیں بلکہ قیمت ہے۔ مدینہ میں کھجور عام تھی لہٰذا سستی تھی جبکہ گندم کم تھی لہٰذا مہنگی تھی اور شامی گندم تو ویسے ہی نایاب شیئ تھی۔ تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میری نظر میں اگر کوئی شخص شامی گندم کا نصف صاع بھی ادا کر دے تو وہ چونکہ قیمت میں مدینہ کی کھجور کے ایک صاع کے برابر ہے لہٰذا فطرانہ ادا ہو جائے گا کیونکہ قیمت اصل ہے نہ کہ پیمانہ۔ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اسی رائے کی وجہ سے یہ فتوی دیا کہ صدقہ فطر میں قیمت دینا جائز ہے۔[36] اور ہماری نظر میں یہی موقف راجح ہے کہ صدقہ فطر میں قیمت دی جا سکتی ہے، کھجور دینا ہی ضروری نہیں ہے۔ اور قدیم زمانے میں چونکہ بارٹر سسٹم رائج تھا لہٰذا درہم و دینار کے علاوہ ایک جنس بھی دوسری جنس کی قیمت بن جاتی تھی اور اس طرح سے بھی خرید و فروخت ہوتی تھی کہ ایک جنس کے بدلے دوسری جنس بطور قیمت ادا کر دی جائے۔

دوسری توجیہ یہ بھی ممکن ہے کہ اگر پیمانے کو اصل بنایا جائے تو یہاں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حجازی اور شامی صاع کے فرق کا لحاظ کیا ہے کہ شامی صاع، حجازی صاع سے بڑا تھا تو کہا کہ اس کا نصف بھی، حجازی صاع کے مقابلے میں کفایت کرے گا۔ لہٰذا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا کہنا تھا کہ حدیث میں جس صاع کا حکم ہے تو وہ مدینہ کا صاع ہے نہ کہ کسی دوسرے علاقے کا۔ اور اگر کسی دوسرے

---

[36] النووي، يحيى بن شرف، المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج، دار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الثانية، 1392ھ، 61/7

علاقے کا صاع مدینہ کے صاع سے مقدار میں بڑا ہو گا مثلاً دوگنا ہو تو اس صاع کا نصف بھی نکالا جا سکتا ہے کیونکہ وہ نصف صاع مقدار میں مدینہ کے مکمل صاع کے برابر ہو گا۔

دوسری روایت بھی صحیح مسلم کی ہے کہ جس کے مطابق عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو بعض مہمات میں چاندی کے برتن حاصل ہوئے تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان برتنوں کو لوگوں یعنی سپاہیوں کی تنخواہوں کے عوض فروخت کر دیا جائے۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے اس حکم کی مخالفت کی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کو سونے، چاندی کو چاندی، گندم کو گندم، جو کو جو، کھجور کو کھجور اور نمک کو نمک کے بدلے برابر برابر لینے دینے کا حکم دیا ہے اور کمی بیشی سے منع کیا ہے اور کمی بیشی کو سود قرار دیا ہے۔[37]

اصل میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذمہ سپاہیوں کی تنخواہیں تھیں۔ اور تنخواہ درہم کی صورت ادا ہوتی تھی جو کہ چاندی کا سکہ تھا اور اس کا ایک خاص وزن ہوتا تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سپاہیوں کو ان کی تنخواہ یعنی چاندی کے سکوں کے عوض، چاندی کے برتنوں کی پیشکش کی جو کہ مال غنیمت میں حاصل ہوئے تھے اور اس میں وزن کی برابری کا لحاظ نہ کیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف یہ تھا کہ چاندی کا سکہ اور چاندی کا برتن یہ دو اجناس بن جاتی ہیں کہ جن میں کمی بیشی جائز ہے اور سنت کے خلاف نہیں ہے جبکہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا موقف تھا کہ یہ ایک ہی جنس ہے لہٰذا اس میں کمی بیشی جائز نہیں ہے۔ آسان الفاظ میں یوں سمجھیں کہ آج بھی سنارے خالص سونے اور زیورات کی صورت میں جو سونا ہوتا ہے، اس کی قیمت میں فرق کرتے ہیں، چاہے وزن برابر ہی کیوں نہ ہو، یعنی میکنگ، پالشنگ وغیرہ کے پیسے بھی لگائے جاتے ہیں۔ تو خالص چاندی اور چاندی کے زیورات دو اجناس ہیں لہٰذا ان میں کمی بیشی جائز ہے، یہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف تھا۔

تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اجتہادات سے آپ کو اختلاف ہے، ضرور اختلاف رکھیں کہ صحابہ نے خود ایک دوسرے سے اختلاف کیا ہے، لیکن ان کی اجتہادی آرا کو سنت کی خلاف ورزی قرار دے کر اپنے قارئین اور فالوورز کو صحابہ کے بدعتی ہونے کا تاثر نہ دیں کہ وہ سنت کے مقابلے میں اپنی

---

[37] صحیح مسلم، كِتَابُ الْمُسَاقَاةِ، بَابُ الصَّرْفِ وَبَيْعِ الذَّهَبِ بِالْوَرِقِ نَقْدًا، 1210/3

رائے کی تنقید کرتے تھے، معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ۔ ہمارے علما نے تو ائمہ کے بارے ایسے طعن سے منع کیا ہے کہ ان پر سنت کے ترک کرنے کا طعن کیا جائے چہ جائیکہ کہ صحابہ کے بارے ایسا کہا جائے جبکہ معقول تاویل موجود ہو۔

کیا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے؟

ویسے تو قرآن مجید میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت میں جتنی بھی آیات مروی ہیں، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ان کے عموم میں داخل ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

«وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ»[38]

"اور مہاجرین اور انصار میں سے ایمان میں پہل کرنے والے اور سبقت لے جانے والے [یعنی سینئر صحابہ] اور پھر ان پہل کرنے والوں کی جنہوں نے اچھے طریقے سے پیروی کی [یعنی جونیئر صحابہ]، دونوں سے اللہ راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔ اور اللہ نے ان سب کے لیے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں کہ جن کے دامن میں نہریں بہتی ہیں اور وہ ان باغات میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔"

ایک اور جگہ پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

«لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ»[39]

"تم میں سے وہ لوگ کہ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے جہاد و قتال کیا اور اللہ کے رستے میں انفاق کیا تو وہ ان کے برابر نہیں ہیں کہ جنہوں نے فتح مکہ کے بعد جہاد و قتال کیا اور اللہ کے رستے میں انفاق کیا۔ اور جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے جہاد و قتال کیا اور اللہ کے رستے میں انفاق کیا تو وہ ان سے درجے میں افضل ہیں کہ جنہوں نے فتح مکہ کے بعد جہاد و قتال

---

[38] القرآن: التوبة: 100

[39] القرآن: الحديد: 10

کیا اور اللہ کے رستے میں انفاق کیا۔ البتہ اللہ نے دونوں سے جنت کا وعدہ کر رکھا ہے۔"

تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر کفار سے جہاد و قتال بھی کیا اور انفاق بھی کیا کیونکہ طائف اور حنین کی جنگوں میں آپ مسلمانوں کی طرف سے شریک تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں آپ کو شام کا گورنر لگایا تھا اور آپ کے ہاتھوں بہت سے علاقے فتح ہوئے۔ لہٰذا آپ کی فضیلت تو قرآن مجید کے عموم سے ثابت ہوئی لیکن آپ کی فضیلت میں متعین احادیث بھی وارد ہیں کہ جن میں سے تین احادیث کافی معروف ہیں اور میں سے دو کا ذکر ہم ذیل میں کر رہے ہیں جبکہ تیسری کا ذکر آگے چل کر آئے گا۔

1. ہادی و مہدی ہونے کی دعا:

مرزا صاحب اپنی ایک تحریر "واقعہ کربلا کا حقیقی پس منظر" کے تیسرے باب میں لکھتے ہیں:

"صحابیت کے سوا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل سے متعلق کوئی بھی صحیح حدیث نقل نہیں ہوئی ہے۔"[40]

مرزا صاحب سے پہلے بعض شیعہ اسکالرز بھی اپنی بعض تحریروں میں کچھ ایسی ہی فکر پیش کر چکے ہیں لیکن یہ دعوی درست نہیں ہے جیسا کہ سنن الترمذی کی روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا:

«اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا وَاهْدِ بِهِ»[41]

"اے اللہ! انہیں ہادی بھی بنا اور مہدی بھی، اور ان کے ذریعے خلق خدا کو ہدایت دے۔"

ہادی ہدایت کا رستہ دکھانے والا اور مہدی سے مراد وہ شخص ہے کہ جسے ہدایت کا رستہ دکھایا گیا ہو۔ امام بخاری رحمہ اللہ بھی اس روایت کو اپنی کتاب "التاریخ الکبیر" میں لے کر آئے ہیں۔[42] امام

---

[40] واقعہ کربلا کا حقیقی پس منظر: 72 صحیح الاسناد احادیث کی روشنی میں، ص 27

[41] الترمذي، محمد بن عيسى بن سَوْرة، سنن الترمذي، أَبْوَابُ الْمَنَاقِبِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابُ مَنَاقِبِ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي، مصر، 1975م، 687/5

[42] البخاري، محمد بن إسماعيل بن إبراهيم بن المغيرة، التاريخ الكبير، دائرة المعارف العثمانية، حيدر آباد، 240/5

ترمذی رحمہ اللہ نے اس روایت کو ''حسن'' کہا ہے۔[43]علامہ الجورقانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ روایت ''حسن'' ہے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس کی سند ''قوی'' ہے اور ایک سے زائد طرق سے مروی ہے۔[44]ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ روایت ''حسن'' کہا ہے۔[45]ابن حجر الہیثمی رحمہ اللہ نے بھی اس روایت کو ''حسن'' کہا ہے۔[46]اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے ''صحیح'' کہا ہے۔[47]

2. کتاب کے علم اور عذاب سے بچنے کی دعا:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے بارے مروی دوسری روایت المعجم الکبیر للطبرانی اور مسند احمد وغیرہ کی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اللهُمَّ عَلِّمْ مُعَاوِيَةَ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِهِ الْعَذَابَ»[48]

''اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کو کتاب اور فرائض کا علم سکھا اور انہیں عذاب سے بچا۔''

ابن خزیمہ[49]اور ابن حبان رحمہما اللہ نے اس روایت کو ''صحیح'' کہا ہے۔[50]علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو ''صحیح لغیرہ'' کہا ہے۔[51]اگرچہ بعض اہل علم نے اس روایت کی استنادی حیثیت پر

---

[43] سنن الترمذي، أَبْوَابُ الْمَنَاقِبِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابُ مَنَاقِبِ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، 687/5

[44] الذهبي، محمد بن أحمد بن عثمان، تلخيص العلل المتناهية، المحقق :ياسر إبراهيم محمد، مكتبة الرشد، الرياض، الطبعة الأولى، 1419هـ، ص 53

[45] أحمد بن علي بن حجر العسقلاني، تخريج مشكاة المصابيح، المحقق: علي بن حسن بن عبد الحميد الحلبي، دار ابن القيم، الدمام، الطبعة الأولى، 1422هـ، 486/5

[46] أحمد بن محمد بن علي بن حجر الهيتمي، الصواعق المحرقة على أهل الرفض والضلال والزندقة، مؤسسة الرسالة، لبنان، الطبعة الأولى، 1997م، 626/2

[47] سنن الترمذي، أَبْوَابُ الْمَنَاقِبِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابُ مَنَاقِبِ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، 687/5

[48] مسند الإمام أحمد بن حنبل: 383/28؛ الطبراني، سليمان بن أحمد بن أيوب، المعجم الكبير، دار الصميعي، الرياض، الطبعة الأولى، 1994 م، 251/18

[49] ابن خزيمة، أبو بكر محمد بن إسحاق، صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي، بيروت، 214/3

[50] محمد بن حبان بن أحمد بن حبان، صحيح ابن حبان بترتيب ابن بلبان، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الثانية، 1993 م، 191/16

[51] أيضاً

کچھ اعتراضات کیے ہیں لیکن محقق العصر علامہ البانی رحمہ اللہ نے ان اعتراضات کا کافی وشافی جواب اپنی تحریروں میں دیا ہے۔[52]

تو خلاصہ کلام یہی ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور منقبت ایک سے زائد صحیح روایات سے ثابت ہے اور یہ بیان درست نہیں ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں کوئی روایت موجود نہیں ہے۔ البتہ مرزا صاحب نے اپنے کتابچے میں امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ کا ایک قول نقل کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں کوئی ایک روایت بھی صحیح ثابت نہیں ہے۔

تو پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ قول ہی ان سے صحیح سند سے ثابت نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مرزا صاحب کب سے "بابی" یعنی بابوں کو ماننے والے ہو گئے! ان کا تو نعرہ ہی یہی ہے: "نہ میں وہابی نہ میں بابی، میں ہوں مسلم علمی کتابی"۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مرزا صاحب سے بڑھ کر کوئی "بابی" نہیں ہے۔

باقیوں کے ہاں تو پھر "بابوں" کو نقل کرنے کا کوئی ضابطہ ہے جو انہوں نے بنا رکھا ہے لیکن مرزا صاحب کے ہاں تو وہ بھی نہیں ہے۔ مرزا صاحب جب چاہتے ہیں، اپنے مقصد کے لیے بابوں کو نقل کرنا شروع کر دیتے ہیں جیسا کہ انہوں نے اس کتابچے میں اپنے موقف کی دلیل کے طور پر بابوں کے بیسیوں اقوال جمع کر دیے ہیں۔ اور جب چاہتے ہیں، بابوں پر نقد شروع کر دیتے ہیں جبکہ وہ ان کے موقف کے خلاف ہوں۔

مرزا صاحب کہتے ہیں کہ میں "بابوں" کو اس لیے نقل کرتا ہوں کہ یہ لوگ "بابوں" کو مانتے ہیں۔ تو بھئی، پھر یہاں بھی علامہ البانی رحمہ اللہ کو نقل کرو ناں اپنے کتابچے میں کہ وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں مروی روایات کو "صحیح" کہہ رہے ہیں۔ کیا وہ لوگ جن کے لیے آپ بابوں کو نقل کرتے ہیں، یہاں علامہ البانی رحمہ اللہ کو نہیں مانتے؟

تو اس میں کوئی شک نہیں کہ مرزا صاحب اپنی تحقیق میں "خائن" ہیں، حق بات کو چھپاتے

---

[52] الألباني، محمد ناصر الدين، سلسلة الأحاديث الصحيحة وشيء من فقهها وفوائدها، مكتبة المعارف للنشر والتوزيع، الرياض، 2002 م، 7/88-94

ہیں، تصویر کا صرف ایک رخ پیش کرتے ہیں۔ انہوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہر منفی بات، جہاں سے انہیں ملی، بھلے تاریخ کی کتابوں سے، بھلے بابوں کے اقوال سے، اپنے کتابچے میں جمع کر دی ہے جبکہ ان کے بارے ہر مثبت بات چھپالی ہے، بھلے حدیث کی کتابوں میں موجود ہو۔ تو اسے غیر جانبدارانہ تحقیق کہتے ہیں! یہ تو پرلے درجے کی خیانت پر مبنی تحقیق ہے۔ رہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل، تو وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر ہیں، اپنے مناقب میں بھی اور درجات میں بھی، اور یہ سب صحیح روایات سے ثابت ہے۔

کیا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کاتب وحی نہ تھے؟

مرزا صاحب اپنی تحریر "واقعہ کربلا کا حقیقی پس منظر" میں تیسرے باب کے ذیل میں صحیح مسلم کی ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ جس میں یہ ہے کہ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین درخواستیں کیں: ایک یہ کہ میری بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیں، دوسرا یہ کہ میرے بیٹے معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنا کاتب رکھ لیں، اور تیسرا یہ کہ مجھے کفار کے ساتھ لڑنے کا حکم دیں جیسا کہ میں مسلمانوں سے لڑتا رہا۔ اس حدیث کے راوی ابوزمیل رحمہ اللہ، جو کہ تابعی ہیں، کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جب بھی سوال کیا جاتا تو آپ انکار نہ فرماتے تھے لہٰذا اسی وجہ سے آپ نے ابو سفیان رضی اللہ عنہ کو انکار نہیں فرمایا۔[53]

مرزا صاحب نے ابوزمیل راوی کے تبصرے کو بنیاد بناتے ہوئے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ جیسے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اس قابل نہ تھیں کہ ازواج مطہرات میں شامل ہوتیں اور نہ ہی معاویہ رضی اللہ عنہ کاتب رسول صلی اللہ علیہ وسلم بننے کے لائق تھے۔ بس یہ کام سفارش سفارش میں ہو گیا ہے اور اس میں بھی زیادہ عمل دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج کا تھا کہ آپ کو ناں کرنی نہیں آتی تھی۔

مرزا صاحب کے اس کتابچے کے ہر صفحہ پر جو ہیڈر (header) چل رہا ہے، اس کے عنوان میں یہ ہے کہ صرف "قرآن اور صحیح الاسناد احادیث کی روشنی میں"۔ اب راوی کا فہم کب سے حدیث ہو گیا؟ اسے تو اصطلاح میں "ادراج" کہتے ہیں یعنی راوی کا حدیث میں اپنی طرف سے

---

[53] واقعہ کربلا کا حقیقی پس منظر: ص 13

اضافہ کرنا اور وہ کوئی دلیل نہیں ہے۔ اب صحیح مسلم میں ہر بات تو حدیث نہیں ہے لہٰذا یہ کہنا کہ یہ صحیح مسلم میں ہے، کوئی دلیل نہیں ہے۔ پہلے دیکھنا پڑے گا کہ صحیح مسلم میں وہ بات کس حیثیت میں نقل ہوئی ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں بھی صحابہ کرام، ائمہ دین اور راویوں کے اقوال اور ان کا فہم بھی منقول ہے جو کہ حدیث نہیں ہے۔

تو ابوزمیل راوی کی یہ بات درست نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے جو مانگا جاتا، آپ وہ عطا کر دیتے تھے جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے عہدہ مانگنے پر انہیں عہدہ دینے سے انکار کر دیا تھا حالانکہ وہ متقی ترین اصحاب میں سے تھے۔[54] تو اس روایت سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ صرف مانگنے پر کوئی منصب یا عہدہ عنایت نہیں فرماتے تھے بلکہ صلاحیت اور استعداد دیکھ کر فیصلہ فرماتے تھے۔ پس حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو کاتب وحی رکھنے کا فیصلہ ان کی صلاحیت اور استعداد کی بنیاد پر ہوا تھا۔

اسی طرح صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ ایک عورت نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نکاح کے لیے پیش کیا تو آپ ﷺ نے ایک نظر دیکھ کر انکار فرما دیا اور قرآن سکھانے کے حق مہر کے عوض اسی مجلس میں موجود اپنے ایک دوسرے صحابی سے اس عورت کا نکاح کر دیا۔[55] تو اللہ کے رسول ﷺ کو انکار کرنا آتا تھا اور آپ کرتے بھی تھے۔ تو ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو نکاح میں کسی میرٹ پر قبول کیا گیا اور وہ ان کا حسن و جمال اور خاندانی وجاہت تھی کہ صحیح مسلم ہی کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے رشتہ پیش کرتے وقت کہا تھا کہ میری بیٹی «أَحْسَنُ الْعَرَبِ وَأَجْمَلُهُ» یعنی عرب کی خوبصورت ترین عورتوں میں سے ہے۔

دوسرا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ صحیح مسلم کی روایت میں تو "کاتب رسول" کے الفاظ ہیں نہ کہ

---

[54] مسلم بن الحجاج النيسابوري، المسند الصحيح المختصر بنقل العدل عن العدل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم المعروف بصحيح المسلم، كِتَابُ الْإِمَارَةِ، بَابُ كَرَاهَةِ الْإِمَارَةِ بِغَيْرِ ضَرُورَةٍ، دار إحياء التراث العربي، بيروت، 1457/3

[55] البخاري، محمد بن إسماعيل، الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه وأيامه المعروف بصحيح البخاري، كِتَابُ النِّكَاحِ، بَابُ النَّظَرِ إِلَى المَرْأَةِ قَبْلَ التَّزْوِيجِ، دار طوق النجاة، مصر، الطبعة الأولى، 1422هـ، 14/7

”کاتب وحی“ کے لہٰذا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وحی نہیں لکھتے تھے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خط لکھتے تھے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وحی بھی لکھتے تھے اور خطوط بھی لکھا کرتے تھے جیسا کہ امام بیہقی جب عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کو ”دلائل النبوۃ“ میں اپنی سند سے نقل کرتے ہیں تو اس میں وحی کے الفاظ کی صراحت بھی موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا:

«فَقَالَ: اذْهَبْ فَادْعُ لِي مُعَاوِيَةَ، وَكَانَ يَكْتُبُ الْوَحْيَ»[56]

”جاؤ، معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلا لاؤ، اور وہ وحی لکھا کرتے تھے۔“

یہ الفاظ کہ وہ وحی لکھا کرتے تھے، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے ہیں اور یہ ایک بہت بڑی شہادت ہے کہ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وحی بھی لکھا کرتے تھے۔

اسی طرح سے تیسرا اعتراض جو کہ مرزا صاحب کی طرف سے کیا گیا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے اور فتح مکہ کے بعد کون سی وحی نازل ہوئی ہے جسے وہ لکھا کرتے تھے؟ 99.99 فی صد وحی تو نازل ہو چکی تھی، اب کون سی وحی معاویہ رضی اللہ عنہ لکھا کرتے تھے؟[57]

تو فتح مکہ رمضان 8 ہجری میں ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ربیع الاول 11 ہجری میں ہوئی۔ درمیان میں اڑھائی سال کا وقفہ ہے اور کیا اس میں کوئی وحی نازل نہیں ہوئی؟ دین اسلام، اڑھائی سال پہلے مکمل ہو چکا تھا؟ اور نہ سہی غزوہ تبوک کو ہی لے لیں جو فتح مکہ کے بعد 9 ہجری میں ہوا اور ایک پارے سے زائد پر مشتمل سورۃ التوبہ ہے جو اس غزوے کو تفصیل سے بیان کر رہی

---

[56] البیهقي، أحمد بن الحسين بن علي، دلائل النبوة، بَابُ مَا جَاءَ فِي دُعَائِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى مَنْ أَكَلَ بِشِمَالِهِ، وَدُعَائِهِ عَلَى مَنْ كَانَ يَخْتَلِجُ بِوَجْهِهِ وَغَيْرِهِمَا، وَمَا ظَهَرَ فِي كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِنْ آثَارِ النُّبُوَّةِ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، 1988 م، 243/6

[57] Muhammad Ali Mirza, Kia Hazrat Muawiyah r.a Katib-e-Wahi the, Retrieved 01 August 2019 from https://www.youtube.com/watch?v=r5Nr8A8jC-E&fbclid=IwAR3mG0jQQ1wEx3OEr7gYwnvLZtJW_C0BVXwmPsbRDMXC8oQI-4vzH7azq_8

ہے۔[58] سورۃ التوبہ کے علاوہ سورۃ المائدۃ ہے جو ایک پارے سے زائد پر مشتمل ہے اور اس کا ایک بڑا حصہ فتح مکہ کے بعد نازل ہوا۔[59] اس کے علاوہ سورۃ البقرۃ کی سود کی آیات ہیں یا دیگر وہ آیات ہیں کہ جن کے بارے شان نزول کی روایات میں یہ تصریح موجود ہے کہ وہ آخر میں نازل ہونے والی آیات میں سے ہیں۔[60] تو یہ سب مل کر کیا کل قرآن مجید کا 0.01 فی صد بنتا ہے تو اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے بے تکے انداز میں اس قسم کے دعوے کرنا بہت ہی غیر ذمہ دارانہ رویہ ہے کہ جس میں مرزا صاحب مبتلا ہے۔ یہ رویہ علمی نہیں بلکہ جذباتی ہے کہ جس میں ایک سوچی سمجھی رائے کو جذبات کے زور پر منوانے کی کوشش کی جاتی ہے جو کہ درست طرز عمل نہیں ہے۔ تو نہ تو ٹامک ٹوئیاں مارنے کا نام تحقیق ہے اور نہ ہی تھیٹر کے مداریوں اور فنکاروں کے جیسے ایکسپریشن دینے سے کوئی چیز ثابت ہوتی ہے۔

کیا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ باغی تھے؟

مرزا صاحب نے اپنے ریسرچ پیپر المعروف ہائیڈروجن بم "واقعہ کربلا کا حقیقی پس منظر" میں جا بجا یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی صحابہ کرام کا گروہ، باغی گروہ تھا۔ اور وہ صرف انہیں باغی کہنے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اپنے کتابچے کے پانچویں باب بعنوان "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حکومت مل جانے کے بعد بتدریج اس امت پر کیسی ملوکیت مسلط ہوئی اور اس کا بھیانک نتیجہ کیا نکلا؟" میں، ص 25 پر، صحیح مسلم کی یہ حدیث بھی نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد کچھ نالائق لوگ جانشین بنیں گے، وہ زبان سے جو کہیں گے، وہ کریں گے نہیں۔ اور جو ان سے ہاتھ سے جہاد کرے گا تو وہ مومن ہے، جو ان سے زبان سے جہاد کرے گا تو وہ مومن ہے، اور جو ان سے دل سے جہاد کرے گا تو وہ مومن ہے، اور اس کے بعد تو رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔

---

[58] السيوطي، جلال الدين، الدر المنثور، دار الفكر، بيروت، 759/2

[59] الدر المنثور: 4/3

[60] الدر المنثور: 104/2

اب یہ بد یانت اور خائن لوگ کس طرح سے وہ حدیثیں جو اپنے مفہوم میں عام ہیں، کھینچ تان کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی صحابہ کرام پر چسپاں کرتے ہیں! ایک طرف انہیں رضی اللہ عنہ لکھ رہے ہیں اور صحابی مان رہے ہیں، دوسری طرف ان کی گردن اڑانے کو جہاد قرار دے رہے ہیں۔ بس ان کا مطالبہ صرف اتنا ہے کہ چونکہ فلاں صحابی رسول ہے، لہٰذا اس کی گردن اڑانے سے پہلے بس "رضی اللہ عنہ" پڑھ لینا تاکہ پورے ادب اور احترام سے گردن اڑائی جا سکے، معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ۔ اور یہی کام مرزا صاحب اور ان کے فالوورز کر رہے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو معاذ اللہ، شرابی، حرام خور، سود خور، بدعتی، باغی اور واجب القتل ثابت کرنے کے لیے پورا زور لگانے کے بعد بس استدعا یہ کر رہے ہوتے ہیں کہ یہ سب کچھ ماننے اور کہنے سے پہلے ان کے نام کے ساتھ "رضی اللہ عنہ" پڑھ لیا جائے، فیا اللعجب۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو باغی ثابت کرنے کے لیے مرزا صاحب نے صحیح بخاری کی ایک روایت کو دلیل بنایا ہے کہ جس میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کی تعمیر کے موقع پر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا:

«وَيْحَ عَمَّارٍ، تَقْتُلُهُ الفِئَةُ البَاغِيَةُ، يَدْعُوهُمْ إِلَى الجَنَّةِ، وَيَدْعُونَهُ إِلَى النَّارِ»[61]

"عمار کی کم بختی! اسے ایک باغی گروہ قتل کرے گا، عمار تو انہیں جنت کی طرف بلا رہا ہو گا اور وہ عمار کو آگ کی طرف بلا رہے ہوں گے۔"

صحیح بخاری کی اس روایت کے بارے صحیح بات یہ ہے کہ امام بخاری نے یہ الفاظ «تَقْتُلُهُ الفِئَةُ البَاغِيَةُ» کہ عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا، اپنی صحیح بخاری میں درج نہیں کیے تھے، یہ صحیح بخاری میں راویوں کا ادراج اور اضافہ ہے۔

ابو مسعود الدمشقی رحمہ اللہ متوفی 401ھ نے اپنی کتاب "أطراف الصحيحين" میں کہا ہے کہ یہ الفاظ کہ عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا، امام بخاری نے نقل نہیں کیے ہیں۔[62] امام بیہقی رحمہ اللہ

---

[61] صحيح البخاري، كِتَابُ الصَّلاَةِ، بَابُ التَّعَاوُنِ فِي بِنَاءِ المَسْجِدِ، 97/1

[62] أَن رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم قَالَ: وَيْح عمارٍ، تقتله الفئة الباغية، يَدعُوهُم إِلَى الْجنَّة ويدعونه إِلَى النَّار. قَالَ أَبُو مَسْعُود الدِّمَشْقِي من كِتَابه: لم يذكر البُخَارِيّ هَذِه الزِّيَادَة. [الحَمِيدي، محمد بن

متوفی 458ھ اپنی کتاب "دلائل النبوة" میں کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو «تَقْتُلُهُ الفِئَةُ البَاغِيَةُ» کے الفاظ کے بغیر نقل کیا ہے۔[63] امام حمیدی رحمہ اللہ متوفی 488ھ نے اپنی کتاب "الجمع بين الصحيحين" میں کہا ہے کہ یہ الفاظ امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں درج نہیں کیے تھے، یا اگر کیے بھی تھے تو انہیں حذف کر دیا تھا۔[64] ابن الاثیر الجزری رحمہ اللہ متوفی 606ھ اپنی کتاب "جامع الأصول في أحاديث الرسول" کہتے ہیں کہ میں نے صحیح بخاری کے ایک نسخے میں، وہ بھی متن میں نہیں بلکہ حواشی میں یہ الفاظ دیکھے ہیں جبکہ بقیہ نسخوں میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔[65] امام مزی رحمہ اللہ متوفی 742ھ اپنی کتاب "تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف" میں[66] اور امام ذہبی متوفی 748ھ اپنی کتاب "تاريخ الإسلام ووفيات المشاهير

فتوح، الجمع بين الصحيحين البخاري ومسلم، دار ابن حزم، بيروت، الطبعة الثانية، 1423ھ، 462/2]

[63] وَرَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِي الصَّحِيحِ، عَنْ مُسَدَّدٍ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ، إِلَّا إِنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ قَوْلَهُ تَقْتُلُهُ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ. [البيهقي، أحمد بن الحسين بن علي، دلائل النبوة، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، 1408 ھ، 546/2]

[64] فِي هَذَا الحَدِيث زِيَادَة مَشْهُورَة لم يذكرهَا البُخَارِيّ أصلا فِي طريقي هَذَا الحَدِيث، ولعلها لم تقع إِلَيْهِ فيهمَا، أَو وَقعت فحذفها لغرضٍ قَصده فِي ذَلِك. [الجمع بين الصحيحين: 462/2]

[65] قلت أنا: والذي قرأته في كتاب البخاري - من طريق أبي الوقت عبد الأول السِّجْزي - رحمه الله - من النسخة التي قرئت عليه، عليها خَطُّه: أمَّا في متن الكتاب، فبحذف الزيادة، وقد كتب في الهامش هذه الزيادة، وصحح عليها وجعلها في جملة الحديث، وأنها من رواية أبي الوقت هكذا، بإضافتها إلى الحديث، وذلك في موضعين من الكتاب، أولهما: في «باب التعاون في بناء المسجد» من «كتاب الصلاة» والثاني: فى «باب مسح الغبار عن الناس في السبيل» في «كتاب الجهاد» وما عدا هذه النسخة، فلم أجد الزيادة فيها، كما قاله الحميدي ومن قبله، والله أعلم. [ابن الأثير الجزري، أبو السعادات المبارك بن محمد بن محمد، جامع الأصول في أحاديث الرسول، مكتبة دار البيان، الطبعة الأولى، 1392ھ، 43/9]

[66] في الصلاة عن مسدَّد، عن عبد العزيز بن المختار - وفي الجهاد عن إبراهيم بن موسى، عن عبد الوهاب الثقفيّ - كلاهما عن خالدٍ الحذَّاء، عنه به - وليس فيه: تقتل عمَّاراً الفئة الباغية. [جمال الدين المزي، يوسف بن عبد الرحمن، تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف، المكتب الإسلامي، الطبعة الثانية: 1403ھ، 427/3]

و الأعلام" میں کہتے ہیں کہ یہ الفاظ صحیح بخاری کی روایت میں نہیں ہیں۔[67]

تو کہنے کا مقصد یہ ہے کہ صحیح بخاری کی روایت صرف اتنی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مسجد نبوی کی تعمیر کے موقع پر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو کہا تھا کہ عمار تو انہیں جنت کی طرف بلا رہے ہیں اور وہ عمار کو آگ کی طرف بلا رہے ہیں اور اس سے مراد مشرکین مکہ تھے۔ صحیح بخاری کے اصل نسخوں میں «تَقْتُلُهُ الفِئَةُ البَاغِيَةُ» کہ عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا، کے الفاظ نہیں ہیں۔ صحیح بخاری کے شارح حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ یعنی «تَقْتُلُهُ الفِئَةُ البَاغِيَةُ» صحیح بخاری میں ادراج یعنی اضافہ ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے انہیں صحیح بخاری میں درج کرنے کے بعد نکال دیا تھا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس حدیث کے راوی ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے خود کہا تھا کہ انہوں نے یہ الفاظ رسول ﷺ سے نہیں سنے جبکہ بقیہ روایت سنی ہے۔[68]

یہاں مرزا صاحب اور ان کے اندھے معتقدین دوسروں پر ''منکرین حدیث'' کا فتوی لگانا شروع کر دیتے ہیں کہ یہ بخاری مسلم کی حدیثوں کو نہیں مانتے، وہی پروپیگنڈا مہم جوئی، جس میں

---

[67] أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيّ دُونَ قَوْلِهِ: "تَقْتُلُهُ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ" [الذهبي، محمد بن أحمد بن عثمان، تاريخ الإسلام ووفيات المشاهير والأعلام، المكتبة التوفيقية، 9/2]

[68] وَلَفْظُهُ وَيْحَ عَمَّارٍ تَقْتُلُهُ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ يَدْعُوهُمْ الْحَدِيثَ وَاعْلَمْ أَنَّ هَذِهِ الزِّيَادَةَ لَمْ يَذْكُرْهَا الْحُمَيْدِيُّ فِي الْجَمْعِ وَقَالَ إِنَّ الْبُخَارِيَّ لَمْ يَذْكُرْهَا أَصْلًا وَكَذَا قَالَ أَبُو مَسْعُودٍ قَالَ الْحُمَيْدِيُّ وَلَعَلَّهَا لَمْ تَقَعْ لِلْبُخَارِيِّ أَوْ وَقَعَتْ فَحَذَفَهَا عَمْدًا قَالَ وَقَدْ أَخْرَجَهَا الْإِسْمَاعِيلِيُّ وَالْبَرْقَانِيُّ فِي هَذَا الْحَدِيثِ قُلْتُ وَيَظْهَرُ لِي أَنَّ الْبُخَارِيَّ حَذَفَهَا عَمْدًا وَذَلِكَ لِنُكْتَةٍ خَفِيَّةٍ وَهِيَ أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ اعْتَرَفَ أَنَّهُ لَمْ يَسْمَعْ هَذِهِ الزِّيَادَةَ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَلَّ عَلَى أَنَّهَا فِي هَذِهِ الرِّوَايَةِ مُدْرَجَةٌ وَالرِّوَايَةُ الَّتِي بَيَّنَتْ ذَلِكَ لَيْسَتْ عَلَى شَرْطِ الْبُخَارِيِّ وَقَدْ أَخْرَجَهَا الْبَزَّارُ مِنْ طَرِيقِ دَاوُدَ بْنِ أَبِي هِنْدٍ عَنِ أَبِي نَضْرَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ فِي بِنَاءِ الْمَسْجِدِ وَحَمْلِهِمْ لَبِنَةً لَبِنَةً وَفِيهِ فَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ فَحَدَّثَنِي أَصْحَابِي وَلَمْ أَسْمَعْهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ يَا بن سميَّة تقتلك الفئة الباغية أه وبن سُمَيَّةَ هُوَ عَمَّارٌ وَسُمَيَّةُ اسْمُ أُمِّهِ وَهَذَا الْإِسْنَادُ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ وَقَدْ عَيَّنَ أَبُو سَعِيدٍ مَنْ حَدَّثَهُ بِذَلِكَ فَفِي مُسْلِمٍ وَالنَّسَائِيِّ مِنْ طَرِيقِ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ حَدَّثَنِي مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنِّي أَبُو قَتَادَةَ فَذَكَرَهُ فَاقْتَصَرَ الْبُخَارِيُّ عَلَى الْقَدْرِ الَّذِي سَمِعَهُ أَبُو سَعِيدٍ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دُونَ غَيْرِهِ وَهَذَا دَالٌّ عَلَى دِقَّةِ فَهْمِهِ وَتَبَحُّرِهِ فِي الِاطِّلَاعِ عَلَى عِلَلِ الْأَحَادِيثِ [ابن حجر العسقلاني، أحمد بن علي، فتح الباري شرح صحيح البخاري، دار المعرفة، بيروت، 1379هـ، 543/1]

دلیل کی بجائے لوگوں کے جذبات سے کھیلنے کا کام زیادہ ہوتا ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایات کی صحت پر اجماع ہے، ہم بھی یہی کہتے ہیں اور ہم اس موضوع پر ''کیا صحیحین کی صحت پر اجماع ہے؟'' کے عنوان سے مستقلاً لکھ چکے ہیں کہ جسے گوگل کر کے پڑھا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہر گز نہیں کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایات پر جرح نہیں ہوئی یا جس نے جرح کی وہ منکر حدیث ہو گیا تو اس طرح تو سب سے پہلے منکر حدیث تو امام الدار قطنی رحمہ اللہ ہوئے۔

تو محدثین ہی کی جماعت کی طرف سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم پر جو نقد ہوئی ہے اور اس کے جو جوابات محدثین ہی کی ایک دوسری جماعت کی طرف سے دیے گئے ہیں، تو اس ساری رد و قدح سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے وہ چند ایک مقامات متعین ہو گئے ہیں کہ جن میں کچھ علل یا اوہام ہیں۔ اب بعد میں آنے والے، محدثین کی اس نقد کو نقل کریں تو اس کی تو گنجائش آج بھی ہے لیکن کسی نئی جرح یا نقد کا دروازہ کھولیں تو یہ درست منہج نہیں ہے۔ تو ہم نے تو صرف محدثین کو نقل کیا ہے، کوئی ایسی بات نہیں کی جو پہلوں نے نہ کی ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ محدثین کی اس نقد سے صحیح بخاری یا صحیح مسلم کی کوئی مکمل روایت ضعیف نہیں ہوتی بلکہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے بقول ان روایات میں موجود کچھ کلمات (phrases) علل اور اوہام کی وجہ سے درجہ ثبوت کو نہیں پہنچ پاتے، بقیہ روایت صحیح ہوتی ہے۔

یہ الفاظ یعنی «تَقْتُلُهُ الفِئَةُ البَاغِيَةُ» صحیح بخاری کے علاوہ بھی کتب حدیث میں منقول ہیں تو سوال یہ ہے کہ ان کے بارے ہماری رائے کیا ہے؟ تو اس بارے ہمارا کہنا یہ ہے کہ اس روایت کے متنوع طرق کو جب ہم جمع کرتے ہیں تو ان کے متون میں ہمیں باہمی تضاد (self-contradiction) نظر آتا ہے کہ جسے محدثین کی اصطلاح میں "اضطراب" کہتے ہیں اور جس روایت کے متن میں اضطراب ہو تو وہ روایت محدثین کے نزدیک اس وقت تک ثابت نہیں ہوتی جب تک کہ اس کا اضطراب دور نہ ہو جائے اور ایسی روایت کو وہ "مضطرب" روایت کہتے ہیں اور اس کا اضطراب دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو کہ چار طریقوں سے ہوتا ہے کہ جن کا ذکر آگے آرہا ہے۔

یہ روایت جب ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے صحیح بخاری میں نقل ہوئی ہے تو اس کے متن میں یہ موجود ہے کہ یہ واقعہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے مٹی جھاڑنا اور انہیں یہ الفاظ کہنا کہ تمہیں ایک باغی گروہ قتل کرے گا، مسجد نبوی کی تعمیر کا واقعہ ہے اور مسجد نبوی کی تعمیر ایک معروف امر ہے کہ 1 ہجری میں ہوئی ہے۔ لیکن یہی روایت جب صحیح مسلم میں ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے نقل ہوتی ہے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ غزوہ خندق کا واقعہ ہے جو 5 ہجری میں ہوئی۔ اور دونوں روایات یعنی صحیح بخاری میں بھی اور صحیح مسلم میں بھی یہ الفاظ موجود ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے مٹی جھاڑ رہے تھے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں روایات میں مراد ایک ہی واقعہ ہے نہ کہ دو علیحدہ علیحدہ واقعات مراد ہیں۔ تو اب سوال یہ پیدا ہوا کہ صحیح بخاری کی روایت صحیح کہہ رہی ہے کہ یہ مسجد نبوی کی تعمیر کا واقعہ ہے یا صحیح مسلم کی روایت صحیح ہے کہ یہ غزوہ خندق کے موقع کا واقعہ ہے تو اسی کو اضطراب کہتے ہیں۔ اور اس میں یوں کہہ کر جمع کرنا درست نہیں ہے کہ دو مرتبہ ایسا ہوا ہو گا۔ دو مرتبہ بالکل ایک ہی جیسا واقعہ ہونا کہ اس میں منظر بھی ایک ہی جیسا ہو، محال ہے۔

ایک اور روایت جو کہ صحیح مسلم میں ہی ہے، وہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے لیکن اس روایت پر بھی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ مسجد نبوی کی تعمیر کا واقعہ ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے تو ام سلمہ رضی اللہ عنہا تو 4 ہجری میں آپ کے عقد نکاح میں آئیں تو یہ کیسے ممکن ہو گیا کہ 1 ہجری کا کلام انہوں نے 4 ہجری میں سن لیا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ بطور صحابیہ بھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کر سکتی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ہجرت مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد مدینہ کو ہوئی کیونکہ ان کے گھر والوں نے انہیں ایک سال تک ہجرت سے روکے رکھا تھا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ خندق کے موقع کا کلام ہے تو غزوہ احزاب کے موقع پر ازواج مطہرات اور صحابیات وغیرہ خندق کھودنے میں شریک نہیں تھیں بلکہ انہیں مدینہ میں ہی حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قلعہ نما گھر میں رکھا گیا تھا جیسا کہ سیرت ابن اسحاق اور سیرت ابن ہشام وغیرہ کی

روایت میں ہے۔[69]

ایک اور روایت جو کہ سنن الترمذی میں ہے، وہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے ہے۔ ایک تو اختلاف یہ ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو یہ الفاظ کہتے ہوئے افسوس کا اظہار کیا گویا کہ اسے ایک سانحہ قرار دیا جبکہ سنن ترمذی کی روایت میں ہے کہ یہ الفاظ کہتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خوش ہونے کو کہا اور اسے ان کے حق میں ایک بشارت شمار کیا۔ اور اظہار افسوس اور بشارت دینے میں بہت فرق ہے۔[70] دوسری بات یہ کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ 7 ہجری میں اسلام لائے جبکہ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق یہ واقعہ پہلی ہجری یعنی مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت کا ہے اور صحیح مسلم کی روایت کے مطابق 5 ہجری یعنی غزوہ احزاب کے موقع کا ہے۔

ایک اور روایت جو کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے، اس کے راوی عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہیں۔[71] عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ تو اسلام ہی 8 ہجری میں لائے ہیں تو وہ کیسے مسجد نبوی کی تعمیر یا غزوہ خندق کے موقع کی روایت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن سکتے ہیں۔ ایک اور روایت جو مسند احمد میں ہے، وہ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے[72] اور وہ بھی اگرچہ اپنے والد سے پہلے اسلام لا چکے تھے لیکن ان کی بھی مدینہ کی طرف ہجرت 7 ہجری کے بعد ہی ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ بھی کچھ صحابہ سے روایات موجود ہیں جیسا کہ المعجم الاوسط میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور مستدرک حاکم میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے لیکن ان کے راویوں پر کلام ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امام احمد بن حنبل اور یحی بن معین رحمہما اللہ جیسے جلیل القدر محدثین کا کہنا ہے

---

[69] ابن هشام، السيرة النبوية، مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي، مصر، الطبعة الثانية، 1375هـ 228/2

[70] سنن الترمذي، أَبْوَابُ الْمَنَاقِبِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابُ مَنَاقِبِ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ، 669/5

[71] ابن أبي شيبة، عبد الله بن محمد بن إبراهيم، الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار، كِتَابُ الْجَمَلِ، بَابُ مَا ذُكِرَ فِي صِفِّينَ، مكتبة الرشد، الرياض، الطبعة الأولى، 1409هـ، 552/7

[72] مسند الإمام أحمد بن حنبل: 96/11

کہ اس بارے 28 کے قریب روایات مروی ہیں لیکن ان میں کوئی ایک بھی صحیح نہیں ہے۔ ابو بکر الخلال لکھتے ہیں:

"أَخْبَرَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ الْفَضْلِ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا أُمَيَّةَ مُحَمَّدَ بْنَ إِبْرَاهِيمَ يَقُولُ: سَمِعْتُ فِي حَلْقَةِ أَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ وَيَحْيَى بْنَ مَعِينٍ وَأَبَا خَيْثَمَةَ وَالْمُعَيْطِيَّ ذَكَرُوا: «يَقْتُلُ عَمَّارًا الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ» فَقَالُوا: مَا فِيهِ حَدِيثٌ صَحِيحٌ."[73]

"ہمیں اسماعیل بن فضل نے خبر دی ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں نے محمد بن ابراہیم سے سنا ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل، امام یحی بن معین، ابو خیثمہ اور معیطی رحمہم اللہ کے حلقے میں یہ بات سنی ہے کہ عمار کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا، اس حوالے سے کوئی ایک روایت بھی صحیح نہیں ہے۔"

امام ابو بکر الخلال ایک اور قول نقل کرتے ہوتے لکھتے ہیں:

"سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِ اللهِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ: سَمِعْتُ أَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ، يَقُولُ: رُوِيَ فِي: «تَقْتُلُ عَمَّارًا الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ» ثَمَانِيَةٌ وَعِشْرُونَ حَدِيثًا، لَيْسَ فِيهَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ."[74]

"میں نے محمد بن عبد اللہ بن ابراہیم سے سنا اور وہ یہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو یہ کہتے سنا کہ عمار کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا، اس حوالے سے اٹھائیس روایات مروی ہیں لیکن ان میں سے کوئی ایک روایت بھی صحیح نہیں ہے۔"

اگرچہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ہی سے ایک قول امام ابو بکر الخلال رحمہ اللہ نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ نے یہ کہا ہے کہ اس بارے بعض روایات صحیح ہیں لیکن اس قول کی نسبت ابو بکر الخلال رحمہ اللہ نے ابن الفراء کی طرف کی ہے کہ ابن الفراء یہ کہتے ہیں کہ یعقوب بن شیبہ نے مسند

---

[73] أبو بكر الخَلَّال، أحمد بن محمد بن هارون، السنة، دار الراية، الرياض، الطبعة الأولى، 1410هـ 463/2

[74] أيضاً

عمار کی پہلی جلد میں یہ لکھا ہے[75] اور یہ کتاب مفقود ہے۔

تو ہماری نظر میں یہ روایت "متوقف فیہ" ہے۔ متوقف فیہ اس روایت کو کہتے ہیں کہ جس پر نہ تو صحت کا حکم لگایا جائے گا اور نہ ہی ضعف کا۔ محدثین کا قاعدہ یہ ہے کہ جب روایات میں تعارض پیدا ہو جائے تو وہ اس تعارض کو دور کرنے کے لیے پہلے انہیں جمع کرتے ہیں۔ تو بعض لوگوں نے ان روایات کو یوں جمع کرنے کی کوشش کی ہے کہ آپ ﷺ نے یہ الفاظ ایک سے زائد مواقع پر بیان فرمائیں ہوں گے لیکن ایسا بعض وجوہ سے ممکن نہیں ہے۔ ایک تو یہ کہ پھر یہ ماننا پڑے گا کہ اللہ کے رسول ﷺ ایک ہی روایت کو بار بار دہرا دہرا کر بیان کرتے رہے، اور روایات کے حوالے سے یہ آپ ﷺ کا مزاج نہیں ہے۔ اور دوسرا یہ کہ روایات کے متون جن مواقع کے ساتھ روایت کے الفاظ کو جوڑ رہے ہیں، ان مواقع میں بھی زمانی بعد موجود ہے۔ دوسرا یوں جمع کیا گیا کہ یہ "مرسل صحابی" ہو سکتی ہے یعنی ممکن ہے کہ بعد میں ایمان لانے والے صحابہ نے براہ راست رسول اللہ ﷺ سے نہ سنا ہو لیکن کسی دوسرے صحابی سے سنا ہو اور اس میں حرج نہیں ہے کہ سب صحابہ عادل ہیں۔ تو ہم نے یہ بھی کر کے دیکھ لیا کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے سنا ہے تو انہوں نے وضاحت بھی کر دی لیکن متن میں پھر بھی تضاد باقی رہا۔ تو مرسل صحابی بنانے سے بھی مسئلہ حل نہیں ہو رہا کیونکہ متون میں تضادات ہیں، وہ تضادات اس جمع سے رفع نہیں ہو رہے ہیں۔ سند کے تضادات تو اس طریقے سے جمع سے رفع ہو رہے ہیں لیکن متون کے نہیں ہو رہے ہیں۔

البتہ جمع کی ایک تیسری صورت ہماری نظر میں ممکن ہے اور وہ یہ کہ «تَقْتُلُهُ الفِئَةُ البَاغِيَةُ» کے الفاظ مرفوعاً درست نہیں ہیں بلکہ موقوفاً درست ہیں یعنی یہ الفاظ ثابت ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ کی نسبت سے نہیں بلکہ صحابی کی نسبت سے یعنی یہ صحابی رسول ﷺ کے الفاظ ہیں۔ اور صحابہ میں کسی ایسے صحابی کا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے ہو، ایسا کہنا بعید از قیاس نہیں ہے کہ عمار رضی اللہ عنہ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔ پس اس سے اتنا تو ثابت ہوتا ہے کہ ان صحابی کی

---

[75] أيضاً

نظر میں دوسرا گروہ باغی تھا لیکن یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی نظر میں دوسرا گروہ باغی تھا تو یہ ثابت نہیں ہوتا ہے۔ آسان الفاظ میں ہماری تجویز کردہ جمع کے مطابق روایت کے یہ الفاظ موقوف روایت کے طور ثابت ہیں نہ کہ مرفوع روایت کے طور۔ اور غالب امکان یہی ہے کہ صحابی کی یہ رائے حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے اختلافات کے بعد سامنے آئی اور پھر ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں پھیل گئی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی تھے کیونکہ اس روایت کے اکثر راوی صحابہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے ہیں۔

اور اگر جمع ممکن نہ ہو تو پھر ان روایات میں نسخ تلاش کر کے ان کے باہمی تضاد کو دور کرتے ہیں کہ ایک روایت دوسرے کی ناسخ بن جائے۔ تو نسخ تو احکام میں ہوتا ہے اور یہ روایت احکام سے متعلق نہیں بلکہ فتن کے باب میں بیان ہوئی ہے لہٰذا اس میں نسخ کا احتمال نہیں ہے۔ تیسری صورت ترجیح کی ہے اور وہ ہمارے نزدیک یوں ممکن ہے کہ صحیح بخاری کی روایت کو بقیہ روایات پر ترجیح دی جائے اور یہ مان لیا جائے کہ یہ واقعہ مسجد نبوی کی تعمیر کا ہے اور اس میں «تَقْتُلُهُ الفِئَةُ البَاغِيَةُ» کے الفاظ ثابت نہیں ہیں اور وہ الفاظ کسی صحابی کا قول ہیں یعنی موقوف روایت ہے۔

چوتھی صورت توقف کی ہے اور امام احمد رحمہ اللہ کے قول کا ہمیں یہی معنی معلوم ہوتا ہے کیونکہ بڑے ائمہ اتنی آسانی سے کسی حدیث پر ضعف کا حکم نہیں لگا دیتے۔ جب وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے تو ان کے اس قول میں اور اس میں کہ یہ حدیث ضعیف ہے، فرق ہوتا ہے۔ ہم بھی بعض روایات کے بارے اپنی تحریروں میں یوں لکھتے ہیں کہ وہ ثابت نہیں ہے تو اس سے ہماری مراد صرف اتنی ہوتی ہے کہ وہ صحیح نہیں ہے۔ اب جو روایت صحیح نہیں ہے، وہ ضعیف بھی ہو سکتی ہے اور نہیں بھی۔ اور اگر ہم اس پر ضعف کا حکم نہ لگائیں تو اس صورت میں اسے "متوقف فیہ" روایت کہا جاتا ہے یعنی ایسی روایت کہ جس کے تضاد ختم ہونے تک اس سے استدلال نہیں کیا جائے گا۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اہل علم کی ایک بڑی جماعت نے «تَقْتُلُهُ الفِئَةُ البَاغِيَةُ» کے الفاظ کو رسول اللہ ﷺ سے ثابت مانا ہے اگرچہ ہماری رائے ان سے مختلف ہے۔ تو اگر ہم ان

الفاظ کو رسول اللہ ﷺ سے ثابت مان لیں تو بھی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ باغی ثابت نہیں ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ "بغی" کا اصل معنی 'چاہت' ہے جیسا کہ قرآن مجید کی آیات «ابْتِغَاءَ مَرْضَاةِ اللَّهِ» یعنی اللہ کی رضا چاہنے کے لیے اور حدیث کے الفاظ "یا باغی الخیر" یعنی اے خیر کو چاہنے والے، میں یہی معنی مراد ہے۔ مرزا صاحب عربی کے اس لفظ کو اردو کے "باغی" کے معنی میں مراد لے رہے ہیں جبکہ عربی زبان میں "باغی" کا اصل معنی "چاہنے والا" ہے۔

البتہ بعض اوقات اس لفظ میں 'چاہت' کے ساتھ کسی معنی کا اضافہ ہو جاتا ہے جیسا کہ آیت مبارکہ «تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ» اور «فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى» میں وہ چاہنا مراد ہے جو اپنے حق سے زائد ہو جبکہ «وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ» اور «وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ» میں "بغی" سے مراد وہ چاہنا ہے جو آپ کا حق نہ ہو۔ یہ گہرا نکتہ ہے جسے سطحی ذہن کے لیے سمجھنا ممکن نہیں اور دوسرا جذباتی مزاج کے لیے بھی۔ تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گروہ کو اس معنی میں "باغی" کہا گیا ہے کہ وہ اپنا حق تو چاہ رہے ہیں یعنی قاتلین عثمان کا بدلہ لیکن اس سے زیادہ چاہ رہے ہیں جتنا ان کا بنتا ہے یعنی ان حالات میں قصاص چاہ رہے ہیں کہ جن حالات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے وہ قصاص لینا ممکن نہ تھا۔

تو "باغی" اگر "متاول" یعنی تاویل کرتا ہو تو غلطی، اجتہادی ہوتی ہے۔ تو "بغی" دو قسم کی ہے؛ اپنے حق سے زیادہ مانگنا اور دوسرا جو حق نہیں ہے، وہ مانگنا۔ پہلے میں اجتہادی خطا ہوتی ہے اور دوسرے میں خطا ہی خطا ہے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی "بغی"، اجتہادی تھی اور اس کے دلائل یہ ہیں کہ امیر معاویہ کا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے قتل پر راضی نہ ہونا بلکہ اس کا انکار کرنا کہ ہم نے تو کیا ہی نہیں بلکہ انہوں نے کیا ہے جو انہیں میدان جنگ میں لائے ہیں تو یہی اجتہادی خطا ہے۔ بھلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جواب درست ہو لیکن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا قتل عمار رضی اللہ عنہ کا عقیدہ بھی نہیں ہے اور رضا بھی نہیں ہے۔ تو یہ تو کم از کم ثابت ہو گیا کہ اسی لیے تو تاویل کی ہے، چاہے دوسروں کے نزدیک ان کی تاویل غلط بھی ہو، یہ گہری بحث ہے جو ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کی ہے۔[76]

---

[76] ابن تيمية، أحمد بن عبد الحليم، مجموع الفتاوى، مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف،

دوسرا اصحابہ کی ایک جماعت حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما میں سے کسی کی طرف سے بھی نہیں لڑی، اس حدیث کے معلوم ہونے کے بعد بھی۔ تو انہوں نے اس مسئلہ کو اجتہادی سمجھا، قطعی نہیں جیسا کہ سعد بن ابی وقاص، محمد بن مسلمہ، عبد اللہ بن عمر اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم بلکہ اکثر کبار صحابہ کسی طرف سے بھی نہیں لڑے۔ تو یہ ان کے لیے جواب ہوا کہ جو «تَقْتُلُهُ الفِئَةُ البَاغِيَةُ» کو روایت کا صحیح جز سمجھتے ہیں۔

تیسری بات یہ کہ صحیح بخاری کی روایت میں ہے:

«لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَقْتَتِلَ فِئَتَانِ دَعْوَاهُمَا وَاحِدَةٌ»[77]

قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ دو جماعتیں آپس میں نہ لڑیں اور ان دونوں کا دعوی ایک ہی ہوگا۔

امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان دو جماعتوں سے مراد حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کی جماعتیں ہیں اور ان کے دعوی سے مراد "اسلام" ہے کہ دونوں "اسلام" کے نام پر لڑیں گے یا پھر ان کے دعوی سے مراد یہ ہے کہ وہ دونوں "حق" پر ہونے کے دعویدار ہوں گے۔[78] صحیح بخاری ہی کی ایک اور روایت میں «دَعْوَتُهُمَا وَاحِدَةٌ» کے الفاظ ہیں[79] اور ان الفاظ سے ان معانی کی تائید ہوتی ہے جو اوپر بیان ہوئے ہیں۔

اسی طرح صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ مسلمان تین گروہوں میں بٹ جائیں گے جن میں ایک خوارج ہوں گے اور مسلمانوں میں سے بقیہ دو گروہوں میں سے جو زیادہ حق پر ہوگا، وہ ان خوارج سے قتال کرے گا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خوارج سے قتال کیا جبکہ حدیث کے الفاظ ہیں؛ «يَقْتُلُهَا أَوْلَى الطَّائِفَتَيْنِ بِالْحَقِّ»[80] یعنی مسلمانوں کے دو گروہوں میں جو گروہ حق سے

المدينة النبوية، المملكة العربية السعودية، 1416ھ، 77/35

[77] صحيح البخاري، كِتَابُ المَنَاقِبِ، بَابُ عَلاَمَاتِ النُّبُوَّةِ فِي الإِسْلاَمِ، 200/4

[78] فتح الباري: 616/6

[79] صحيح البخاري، كِتَابُ الفِتَنِ، بَابُ خُرُوجِ النَّارِ، 59/9

[80] صحيح مسلم، كِتَاب الزَّكَاةِ، بَابُ ذِكْرِ الْخَوَارِجِ وَصِفَاتِهِمْ، 745/2

زیادہ قریب ہو گا، وہ ان خوارج سے قتال کرے گا۔ یہ نہیں کہا کہ جو حق پر ہو گا بلکہ دونوں کو حق پر کہہ کر آپ ﷺ نے ایک کو "احق" یعنی زیادہ حق پر کہا ہے اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گروہ ہے۔

تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا گروہ باغی یعنی اپنا حق چاہنے والا گروہ ہے، اگرچہ احق نہیں ہے۔ تو تمام احادیث کو سامنے رکھنے سے جو تطبیقی معنی سمجھ میں آتا ہے، وہ یہ ہے۔ اگر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گروہ کو اس معنی میں باغی لے لیا جائے جیسا کہ خوارج باغی تھے تو پھر رسول اللہ ﷺ کی ان احادیث کا انکار ہو جائے گا کہ جن میں یہ ہے کہ وہ دونوں گروہ حق پر ہوں گے یا دونوں کا دعوی حق ہو گا۔ تو حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کی لڑائی "حق" اور "باطل" کی لڑائی نہیں تھی بلکہ "احق" اور "حق" کی لڑائی تھی۔ پہلا موقف اہل تشیع کا ہے جبکہ دوسرا اہل سنت والجماعت کا ہے۔ تو اہل تشیع اور اہل سنت میں دو بنیادی ترین فرق ہیں؛

ایک یہ کہ اہل سنت کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے بعد اس امت میں سب سے افضل شخصیت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی ہے جبکہ اہل تشیع کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہے۔ تو جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ترجیح دے تو وہ شیعیت میں داخل ہو گیا البتہ اسے تفضیلی شیعہ کہتے ہیں جیسا کہ زیدیہ ہیں اور یہ اہل سنت کے کافی قریب ہیں کہ خلفائے ثلاثہ یعنی ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی خلافت کو مانتے ہیں اور ان کا احترام بھی کرتے ہیں لیکن صرف اتنا کہتے ہیں کہ خلافت کے اصل حقدار حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ آج کل یمن میں پائے جاتے ہیں اور یمن کے حوثی قبائل اسی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک مفضول (junior) کی امامت یعنی خلافت وحکومت، افضل (senior) کی موجودگی میں جائز ہے۔

دوسرا جو حضرت علی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما میں لڑائی کو "حق" اور "باطل" کی لڑائی قرار دے تو یہ پکا شیعہ ہے یعنی ان دونوں باتوں کا قرار کرنے والا۔ اور جو اصحاب رسول ﷺ کو لعن طعن اور گالم گلوچ بھی کرے، انہیں غاصب قرار دے، ان کے ایمان کا انکار کرے تو یہ رافضی شیعہ ہے۔ متقدمین میں شیعیت یہی تھی، باقاعدہ فرقہ تو یہ بہت بعد میں بنا ہے۔ اور شروع میں یہ تصورات ہی ہوتے تھے کہ جن کی بنیاد پر محدثین کسی پر حکم لگاتے تھے کہ اس میں شیعیت ہے، یا وہ شیعہ

ہے یا وہ کٹر شیعہ ہے وغیرہ۔ تو یہ اہل تشیع اور اہل سنت کے مابین عقائد کے بنیادی اختلافات میں سے ہے، کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔

کیا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد نہ تھے؟ حدیث سفینہ رضی اللہ عنہ کی روشنی میں

محمد علی مرزا صاحب اپنے ریسرچ پیپر المعروف ہائیڈروجن بم "واقعہ کربلا کا حقیقی پس منظر" میں پہلے باب کے ذیل میں، ص 2 پر، سنن ابی داؤد کی ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ جس میں یہ ہے کہ حضرت سفینہ، مولی ام سلمہ رضی اللہ عنہا یہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نبوت کی طرز پر خلافت تیس سال رہے گی، پھر اللہ جسے چاہے گا، حکومت دے گا۔ یہ روایت مرزا صاحب کے اس کتابچے کی بنیادی ترین روایت ہے۔ مرزا صاحب کا کل مقدمہ صرف اس ایک روایت کے سہارے کھڑا ہے اور اگر اس ایک روایت کو نکال دیا جائے تو مرزا صاحب کے مقدمے کی کل عمارت ریت کے ڈھیر کی طرح زمین بوس ہو جاتی ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ مرزا صاحب کے پاس اس روایت کے علاوہ اپنے موقف کے حق میں کوئی ایک بھی صریح دلیل نہیں ہے۔

مرزا صاحب کا مقدمہ یہ ہے کہ اس امت میں "خلافت علی منہاج النبوۃ" یعنی نبوی طرز کی خلافت تیس سال تک رہی ہے، اس کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور سے ملوکیت شروع ہو گئی۔ یہی مقدمہ مولانا مودودی رحمہ اللہ کا تھا جو انہوں نے اپنی کتاب "خلافت و ملوکیت" میں پیش کیا لیکن فرق یہ ہے کہ مولانا مودودی رحمہ اللہ نے جو مقدمہ تاریخ کی کتابوں سے ثابت کرنا چاہا، مرزا صاحب نے وہی مقدمہ احادیث کی کتب سے دکھانا چاہا۔ اس موقف پر سب سے بڑا اعتراض تو یہ لازم آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی جماعت کے ذریعے اسلام کا جو نظام اور عمارت کھڑی کی تھی، وہ تمہارے بقول تیس سال ہی بمشکل قائم رہ سکی۔ اور اب تمہارا زعم اور گمان یہ ہے کہ تمہاری تحریک خلافت اور انقلابی جدوجہد کے نتیجے میں تمہاری جماعت کے کارکنان کے ہاتھوں جو اسلامی نظام قائم ہو گا، وہ تیس سال سے زائد کا عرصہ گزار جائے گا۔ تو گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مشن میں اتنے کامیاب نہیں رہے جتنی کامیابی تم حاصل کر لو گے۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ ذرا اپنے بیانیے پر غور کریں کہ یہ کیا نتائج پیدا کر رہا ہے۔ مطلب،

اس دعوے کے بعد غیر مسلموں کو تم کس منہ سے اسلامی نظام کے اختیار کرنے کی دعوت دے سکتے ہو کہ جو تیس سال بھی نہ کھڑا رہ سکا، اسے تم کہہ رہے ہو کہ پوری دنیا پر نافذ کر دو۔ اس سے بڑھ کر اس نظام کی ناکامی کی کیا دلیل ہو گی کہ ستر سال تو کمیونزم جیسا نظام بھی گزار گیا۔ تو یہ اس دین پر بھی اور خود رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پر بھی اور صحابہ کرام رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ کی جماعت پر بھی بہت بڑا طعن ہے کہ جو اسلامی نظام رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قائم کر کے گئے تھے، وہ تیس سال میں زمین بوس ہو چکا تھا، اسلام کا جو قلعہ اور عمارت آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے صحابہ کرام کی جماعت کے ساتھ مل کر تعمیر کیا تھا، وہ تیس سال میں مٹی کا ڈھیر بن چکا تھا۔ اب اس سے بڑھ کر اس نظام اور دین کی ناکامی کی کیا دلیل ہے جو تم اپنے دشمنوں کو دے سکتے ہو؟ ساتھ میں یہ بڑھک مار کر کہ اب دوسری دفعہ جب ہم اسے قائم کریں گے تو یہ تیس سال سے زیادہ چل جائے گا! اور پھر یہ اس نظام کو رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی تربیت یافتہ جماعت تیس سال سے زائد نہیں چلا سکی تو بعد والوں کا کیا حال ہو گا! اگر بعد والوں کی تربیت یافتہ جماعت نے یہ نظام تیس سال سے زائد عرصہ کے لیے چلا لیا تو وہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے بہتر مربی ثابت ہوئے! یہ بیانیہ بہت ہی سطحی بیانیہ ہے۔ خیر مولانا مودودی رَحِمَهُ اللهُ کے موقف کی کچھ خیر خبر ہم نے اپنی کتاب "مکالمہ" میں لی ہے، اسے گوگل کیا جا سکتا ہے۔

جہاں تک روایت سفینہ کی بات ہے تو ہماری نظر میں یہ روایت ثابت نہیں ہے۔ اس روایت کو حشرج نے سعید بن جمہان سے، اور سعید بن جمہان نے سفینہ سے بیان کیا ہے۔ اس روایت کا مرکزی راوی سعید بن جمہان ہے۔ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ حشرج نے سعید بن جمہان سے سوال کیا کہ تم سفینہ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سے کہاں ملے ہو؟ تو سعید بن جمہان نے جواب دیا:

«لَقِيتُهُ بِبَطْنِ نَخْلَةَ فِي زَمَنِ الْحَجَّاجِ، فَأَقَمْتُ عِنْدَهُ ثَمَانِ لَيَالٍ أَسْأَلُهُ عَنْ أَحَادِيثِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: قُلْتُ لَهُ: مَا اسْمُكَ؟ قَالَ: مَا أَنَا بِمُخْبِرِكَ، سَمَّانِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَفِينَةَ.»[81]

"سفینہ سے وادی نخلہ میں، حجاج کے زمانے میں ملا ہوں۔ اور میں اس کے پاس آٹھ راتیں

[81] مسند احمد بن حنبل: 256/36

رہا ہوں اور اس سے احادیث رسول کے بارے سوال کرتا رہا ہوں۔ میں [سعید بن جمہان] نے اس [سفینہ] سے یہ بھی سوال کیا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ تو اس نے کہا کہ میں تمہیں اپنا نام نہیں بتلاؤں گا، میرا نام رسول اللہ ﷺ نے سفینہ یعنی کشتی رکھا ہے۔"

مسند احمد کی اس روایت کو شعیب ارنووط نے "حسن" کہا ہے۔[82] اب یہاں اس روایت میں دو باتیں اہم ہیں کہ سعید بن جمہان نے سفینہ سے ملاقات کا وقت اور جگہ دونوں بتلائی ہیں۔ جگہ تو وادی نخلہ ہے جو مکہ اور طائف کے مابین ہے اور زمانہ، حجاج کا ہے۔ تو حجاج کو عبد الملک بن مراون نے یکم ذی الحجہ 72ھ کو حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے محاصرہ کے لیے مکہ المکرمہ کی طرف امیر لشکر بنا کر بھیجا تھا۔ یہ محاصرہ 17 جمادی الاولی 73ھ تک یعنی تقریباً پانچ چھ ماہ تک جاری رہا۔[83] حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے خاتمے کے بعد حجاج کو عبد الملک بن مروان کی طرف سے یہاں یعنی حجاز کا گورنر بنایا گیا اور حجاج بن یوسف دو سال یعنی 73-75ھ میں حجاز کا گورنر رہا۔ اس کے بعد کثرت شکایات کی وجہ سے اسے حجاز کی گورنری سے معزول کر کے عراق کا گورنر لگا دیا گیا تھا۔[84]

تو وادی نخلہ یعنی حجاز میں حجاج کی گورنری کا زمانہ 73-75ھ ہے۔ اور سفینہ کی وفات 71ھ میں ہو چکی تھی تو سعید بن جمہان کی ملاقات، وادی نخلہ میں اور حجاج کے زمانے میں، سفینہ سے

---

[82] أيضاً

[83] ثم دخلت سنة ثلاث وسبعين فِيهَا كَانَ مَقْتَلُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَلَى يَدَيِ الْحَجَّاجِ بْنِ يُوسُفَ الثَّقَفِيِّ الْمُبِيرِ قَبَّحَهُ اللَّهُ وَأَخْزَاهُ، قَالَ الواقدي: حدثني مصعب بن نائب عَنْ نَافِعٍ مَوْلَى بَنِي أَسَدٍ- وَكَانَ عَالِمًا بِفِتْنَةِ ابْنِ الزُّبَيْرِ- قَالَ: حُصِرَ ابْنُ الزُّبَيْرِ ليلة هلال الْحِجَّةِ سَنَةَ ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ وَقُتِلَ لِسَبْعَ عَشْرَةَ ليلة خلت من جمادى الأول سَنَةَ ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ، فَكَانَ حَصْرُ الْحَجَّاجِ لَهُ خَمْسَةَ أَشْهُرٍ وَسَبْعَ عَشْرَةَ لَيْلَةً. [ابن كثير، إسماعيل بن عمر، البداية والنهاية، دار الفكر، 1407هـ، 329/8]

[84] ثُمَّ دَخَلَتْ سَنَةُ خمس وسبعين فَفِيهَا غَزَا مُحَمَّدُ بْنُ مَرْوَانَ- أَخُو عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ مَرْوَانَ وَهُوَ وَالِدُ مَرْوَانَ الْحِمَارِ- صَائِفَةَ الرُّومِ حِينَ خَرَجُوا مِنْ عِنْدِ مَرْعَشٍ، وفيها ولى عبد الملك نيابة المدينة ليحيى بْنِ أَبِي الْعَاصِ، وَهُوَ عَمُّهُ، وَعَزَلَ عَنْهَا الْحَجَّاجَ. وَفِيهَا وَلَّى عَبْدُ الْمَلِكِ الْحَجَّاجَ بْنَ يوسف نيابة العراق والبصرة وَالْكُوفَةِ وَمَا يَتْبَعُ ذَلِكَ مِنَ الْأَقَالِيمِ الْكِبَارِ، وذلك بعد موت أخيه بشر، فَرَأَى عَبْدَ الْمَلِكِ أَنَّهُ لَا يَسُدُّ عَنْهُ أَهْلَ الْعِرَاقِ غَيْرُ الْحَجَّاجِ لِسَطْوَتِهِ وَقَهْرِهِ وَقَسْوَتِهِ وشهامته، فكتب إليه وهو بالمدينة ولاية الْعِرَاقِ، فَسَارَ مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى الْعِرَاقِ [البداية والنهاية: 7/9]

کیسے ممکن ہے جبکہ وہ اس سے دو سال پہلے فوت ہو چکے تھے!

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تاریخ "البدایۃ والنہایۃ" میں 71ھ میں فوت ہونے والوں میں سفینہ مولی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"ثُمَّ دَخَلَتْ سَنَةُ إحدى وسبعين ففيها كَانَ مَقْتَلُ مُصْعَبِ بْنِ الزُّبَيْرِ ... وَمِمَّنْ تُوُفِّيَ فِيهَا مِنَ الْأَعْيَانِ إِبْرَاهِيمُ بْنُ الأشتر ... سَفِينَةَ مَوْلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ كَانَ عَبْدًا لِأُمِّ سَلَمَةَ."[85]

"پھر سن 71ھ شروع ہوا اور اس میں مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی... اور اسی سن میں جن بڑے لوگوں کی وفات ہوئی ان میں ابراہیم بن اشتر ہیں... اور سفینہ مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ جن کی کنیت ابو عبد الرحمٰن تھی اور وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے غلام تھے۔"

علامہ مجیر الدین العلیمی اپنی کتاب "التاريخ المعتبر في أنباء من غبر" میں سفینہ رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات 71ھ ذکر کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"أبو عبد الرحمن سفينة: مولى رسول الله – صلى الله عليه وسلم –، توفي سنة إحدى وسبعين من الهجرة."[86]

"ابو عبد الرحمٰن سفینہ، مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم 71ھ میں فوت ہوئے۔"

بعض اہل علم نے اگرچہ اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ سفینہ رضی اللہ عنہ کی وفات حجاج کے زمانے میں ہوئی ہے لیکن یہی بات ابن کثیر رحمہ اللہ بھی اپنی تاریخ میں نقل کرتے ہیں کہ سفینہ رضی اللہ عنہ کی وفات حجاج کے زمانے میں ہوئی ہے لیکن جب وہ اس کی تاریخ وفات متعین طور بیان کرتے ہیں تو 71ھ میں بیان کرتے ہیں جیسا کہ اوپر حوالہ گزر چکا ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ حجاج کے زمانے میں سفینہ رضی اللہ عنہ کی وفات ایک غلط فہمی پر مبنی قول تھا کہ جسے بعض مورخین نے نقل کر دیا اور

---

[85] البداية والنهاية: 314/8، 323

[86] مجير الدين العليمي، التاريخ المعتبر في أنباء من غبر، دار النوادر، سوريا، الطبعة الأولى، 1431هـ، 376/3

مورخین یہ قول سعید بن جمہان کی روایت کی بنیاد پر نقل کیا اور اس کی روایت تو خود محل نزاع ہے۔ تو جو محل نزاع ہے، وہ دلیل کیسے بن سکتا ہے! یہی وجہ ہے کہ جو مورخین یہ کہتے ہیں کہ حجاج کے زمانے میں سفینہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی ہے تو انہوں نے ان کے سن وفات کا ذکر نہیں کیا ہے تو گویا انہوں نے یہ بات سعید بن جمہان کی روایت سے اخذ کی ہے۔ تو ہماری نظر میں مورخین کا یہ قول راجح معلوم ہوتا ہے کہ سفینہ رضی اللہ عنہ کی وفات 71ھ میں ہو گئی تھی کیونکہ اس میں تعین اور تفصیل زیادہ ہے اور اس قول کے الفاظ بتلا رہے ہیں کہ یہ قول سعید بن جمہان کی روایت سے متاثر ہو کر نہیں نقل کیا گیا۔

لہٰذا سعید بن جمہان اور سفینہ کی ملاقات ثابت نہیں ہے۔ تو جب ملاقات ثابت نہیں ہے اور سعید بن جمہان کے بقول زندگی میں ملاقات بھی ایک ہی ہوئی ہے اور وہ بھی ثابت نہ ہو سکی تو پھر یہ روایت کیسے ثابت ہو سکتی ہے! البتہ یہ امکان ہے کہ سعید بن جمہان کی کسی سے ملاقات ہوئی ہو، وادی نخلہ میں، حجاج کے زمانے میں، 73-75ھ میں، لیکن وہ سفینہ نہیں تھے بلکہ کوئی اور صاحب تھے، جنہوں نے اپنے آپ کو سفینہ بنا کر پیش کیا ہو کہ وہ کوئی معروف صحابہ میں سے تو تھے نہیں۔ اور یہ زمانہ بھی یعنی ملاقات کا زمانہ، فتنوں کا تھا تو بہت غالب امکان ہے کہ کسی شخص نے سعید بن جمہان کو دھوکا دیا ہو کہ وہ سفینہ ہے۔ اس احتمال کو اس سے بھی تقویت ملتی ہے کہ وہ شخص اپنا نام بتلانے سے کترا رہا ہے اور سعید بن جمہان کے سوال کے جواب میں یہی کہہ رہا ہے کہ میں اپنا اصلی نام نہیں بتلاؤں گا اور میرا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفینہ رکھا ہے۔

بہر حال سعید بن جمہان پر شک کیا جا سکتا ہے کہ اس کا بیان درست نہیں ہے اور اس کی بھی گنجائش موجود ہے کہ بعض ائمہ جرح و تعدیل نے سعید بن جمہان پر نقد کی ہے جیسا کہ امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ نے اس کے بارے کہا ہے کہ "يكتب حديثه، ولا يحتج به" کہ اس کی حدیث لکھی جائے گی لیکن اس سے حجت پکڑی جائے گی۔[87] اور ایسے راوی کی وہ روایات کہ جن میں وہ

[87] المزي، يوسف بن عبد الرحمن، تهذيب الكمال في أسماء الرجال، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الأولى، 1400ھ، 377/10

منفرد ہو، قابل حجت نہیں ہوتیں اور یہ راوی اس روایت کے سفینہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرنے میں منفرد ہے لہٰذا اس کی یہ روایت حجت نہیں ہے۔

اب کوئی شخص اگر یہ اعتراض کرے کہ امام احمد، امام ابو داؤد اور یحی بن معین رحمہم اللہ نے سعید بن جمہان کو ثقہ کہا ہے[88] تو آپ ان کے بارے ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ کا ہی قول کیوں لے رہے ہیں، ان محدثین کا کیوں نہیں لے رہے۔ تو اس کا جواب اوپر گزر چکا کہ ہماری نظر میں سعید بن جمہان اپنے بیان میں مشکوک ہے کہ اس کی ملاقات سفینہ رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہو رہی ہے یا کم از کم مشکوک ہو رہی ہے لہٰذا احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی روایت لکھ لی جائے لیکن اس کو حجت نہ بنایا جائے۔ پھر ابن عدی رحمہ اللہ نے بھی سعید بن جمہان پر یہ اعتراض کیا ہے کہ سفینہ رضی اللہ عنہ سے ایسی روایات نقل کرتا ہے جو اس کے علاوہ کسی نے نقل نہیں کی ہیں تو یہ بھی اس کو مشکوک بنا دیتا ہے بلکہ یہی اعتراض اس راوی پر امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی "في حديثه غرائب" کہہ کر کیا ہے۔[89] یہی وجہ ہے کہ ابن عدی رحمہ اللہ نے اس کے بارے "وأرجو أنه لا بأس بِهِ" کے الفاظ کہے ہیں بلکہ امام نسائی رحمہ اللہ نے بھی "ليس بِهِ بأس" کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔[90] اور علامہ الساجی نے بھی "لا يتابع على حديثه" کے الفاظ کہے ہیں۔[91] اور ان دونوں الفاظ کا تعلق "تعدیل" کے اس مرتبے سے ہے کہ جس میں حدیث محض لکھی جاتی ہے، حجت نہیں ہوتی۔[92]

اس نقد کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ سعید بن جمہان کی روایت کا ایک شاہد بھی ہے جو کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "دلائل النبوۃ" میں نقل کیا ہے لیکن امام بیہقی رحمہ اللہ کی روایت میں بھی علی بن زید بن جدعان راوی ضعیف ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ایک ضعیف روایت، دوسری

---

[88] أيضاً

[89] ابن الوزير، محمد بن إبراهيم بن علي، العواصم والقواصم في الذب عن سنة أبي القاسم، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الثالثة، 1415هـ، 385/2

[90] تهذيب الكمال في أسماء الرجال: 377/10

[91] العواصم والقواصم: 385/2

[92] السخاوي، محمد بن عبد الرحمن، فتح المغيث بشرح الفية الحديث للعراقي، مكتبة السنة، مصر، الطبعة الأولى، 1424هـ، 121/2

ضعیف روایت سے مل کر قوی ہو جاتی ہے اور حسن لغیرہ بن جاتی ہے لہٰذا یہ دونوں مل کر قوی ہو گئی ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک ضعیف روایت اس وقت دوسری ضعیف روایت کے ساتھ مل کر قوی ہو جاتی ہے جبکہ ان کا ضعف خفیف یعنی کم ہو اور اگر ان کا ضعف زیادہ ہو تو وہ حسن لغیرہ نہیں بنتی ہے۔ تو علی بن زید بن جدعان راوی پر شیعہ بلکہ رافضی ہونے کی تہمت بھی ہے لہٰذا یہ ضعف قوی ہے۔ پھر اہم بحث یہ بھی ہے کہ اگر کوئی ضعیف روایت حسن لغیرہ کے درجہ کو پہنچ جائے تو اس سے لفظ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ وہ دونوں روایات میں ضعیف ہی رہے گا بلکہ صرف معنی ثابت ہوتا ہے یعنی مجموعی معنی اور اس بارے ہم اپنے پی۔ایچ۔ڈی کے مقالہ میں بحث کر چکے ہیں۔

تیسری بات یہ کہ علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں تیس سالہ خلافت والی روایت کے بارے کہا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی خلفاء میں سے تھے۔[93] اسی طرح امام ابن العربی رحمہ اللہ نے "العواصم من القواصم" میں لکھا ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ وہ اس کے صحیح نہ ہونے کی دلیل نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> "حديث الخلافة ثلاثون سنة ينقضه حديث اثنا عشر خليفة فإن قيل: فقد روي عن سفينة أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: «الخلافة ثلاثون سنة، ثم تعود ملكًا» فإذا عددنا من ولاية أبي بكر إلى تسليم الحسن كانت ثلاثين سنة لا تزيد ولا تنقص يومًا... وهذا حديث لا يصح. ولو صح فهو معارض لهذا الصلح المتفق عليه، فوجب الرجوع إليه."[94]

---

[93] وقد كان ينبغي أن تلحق دولة معاوية وأخباره بدول الخلفاء وأخبارهم فهو تاليهم في الفضل والعدالة والصحبة، ولا ينظر في ذلك إلى حديث الخلافة بعدي ثلاثون سنة فإنه لم يصحّ، والحق أنّ معاوية في عداد الخلفاء [ابن خلدون، عبد الرحمن بن محمد بن محمد، ديوان المبتدأ والخبر في تاريخ العرب والبربر ومن عاصرهم من ذوي الشأن الأكبر، دار الفكر، بيروت، الطبعة الثانية، 1408هـ، 650/2]

[94] ابن العربي المالكي، العواصم من القواصم في تحقيق مواقف الصحابة بعد وفاة النبي صلى الله عليه وسلم، وزارة الشؤون الإسلامية والأوقاف والدعوة والإرشاد، المملكة العربية السعودية، الطبعة الأولى، 1419هـ، 200/1-202

" تیس سالہ خلافت والی روایت بارہ خلفاء والی روایت کے خلاف ہے لہٰذا قابل قبول نہیں ہے۔ پس اگر یہ کہا جائے کہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تیس سالہ خلافت والی روایت نقل کی ہے کہ جس میں یہ ہے کہ تیس سال کے بعد ملوکیت آ جائے گی۔ اور جب ہم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بننے کے دن سے لے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے خلافت کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کرنے کے دن تک شمار کرتے ہیں تو یہ مکمل تیس سال بنتے ہیں، نہ ایک دن کم اور نہ ایک دن زیادہ... تو یہ روایت یعنی حدیث سفینہ رضی اللہ عنہ صحیح نہیں ہے [کیونکہ سفینہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ابو بکر، عمر، عثمان اور علی کو شمار کیا گیا ہے لیکن حسن بن علی رضی اللہ عنہم کو نہیں]۔ اور اگر صحیح ہو بھی جائے تو بھی وہ اس صلح کے خلاف جا رہی ہے جو حضرت حسن اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین ہوئی اور اس صلح والی روایت کی صحت پر اتفاق ہے، پس دونوں میں تعارض کی صورت میں صلح والی روایت کی طرف رجوع لازم ہے کیونکہ وہ متفق علیہ ہے۔"

چوتھی بات یہ کہ حدیث سفینہ رضی اللہ عنہ کے متنوع طرق میں بھی اضطراب ہے۔ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ "خلافت" تیس سال تک رہے گی۔ السنن الکبری للنسائی کی روایت میں بھی "خلافت" ہی کا تذکرہ ہے۔ اسی طرح سنن الترمذی اور مسند ابی داود الطیالسی کی روایت میں بھی محض "خلافت" کے الفاظ کا ذکر ہے جبکہ سنن ابی داود کی روایت میں "خلافت علی منہاج النبوۃ" کا ذکر ہے۔ تو حدیث سفینہ رضی اللہ عنہ میں اصل الفاظ محض "خلافت" کے ہیں جیسا کہ اکثر مصادر میں ہے یا "خلافت علی منہاج النبوۃ" کے ہیں جیسا کہ سنن ابی داود کی روایت میں ہے؟ یہ کیسے طے ہو گا؟ اس کا کوئی اصول، ضابطہ؟ کہ ان الفاظ کو چھوڑ دیا اور ان کو لے لیا۔ راوی ایک ہی ہے، لہٰذا یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ ایک روایت نے دوسری کی شرح کر دی۔

ایک ہی راوی جب ایک ہی روایت کو نقل کرے اور اس میں الفاظ کا اختلاف لائے تو اسے اصطلاح میں اضطراب (self-contradiction) کہتے ہیں جو حدیث یا کم از کم ان الفاظ کے ضعیف یا متوقف فیہ ہونے کی دلیل ہوتا ہے کہ جن میں اضطراب واقع ہوا ہو۔ اس اضطراب کو اگر رفع بھی کیا جائے تو ترجیح کے اصول کے مطابق حدیث سفینہ رضی اللہ عنہ میں مراد "خلافت" ہو گی

نہ کہ "خلافت علی منہاج النبوۃ"۔ اور محض خلافت تو کسی کے نزدیک بھی تیس سال نہیں ہے۔

پانچویں بات یہ کہ حدیث سفینہ، صحیح مسلم کی صحیح روایت سے متعارض ہے جیسا کہ استاذ محب الدین الخطیب رحمہ اللہ نے بھی ذکر کیا ہے۔[95] صحیح مسلم کی روایت میں بارہ خلفاء کا ذکر ہے جبکہ حدیث سفینہ میں چار کا ہے۔

علامہ البانی رحمہ اللہ نے استاذ الخطیب رحمہ اللہ کو یوں جواب دیا کہ دونوں روایات میں جمع ممکن ہے لہٰذا تعارض رفع ہو گیا۔ اور جمع یہ ہے کہ حدیث سفینہ میں "خلافت نبوت" کا ذکر ہے اور صحیح مسلم کی روایت میں محض "خلافت" کا تذکرہ ہے۔ لیکن علامہ البانی رحمہ اللہ نے "سلسلة الأحاديث الصحيحة" میں یہ جواب نقل کرتے وقت صحیح مسلم کے اس طریق کو نقل نہیں کیا کہ جس میں یہ موجود ہے کہ صحیح مسلم کی روایت میں بھی "خلافت نبوت" ہی کی بات ہو رہی ہے لہٰذا تعارض باقی رہا۔[96] جب تعارض باقی ہے تو صحیح مسلم کی روایت کو ترجیح حاصل ہو گی کیونکہ دوسری روایت ضعیف ہے یا کم از کم اس کی صحت میں اختلاف ہے۔

صحیح مسلم کی ایک روایت میں الفاظ ہیں:

«لَا يَزَالُ الدِّينُ قَائِمًا حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ، أَوْ يَكُونَ عَلَيْكُمُ اثْنَا عَشَرَ خَلِيفَةً، كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ»[97]

"دین اسلام اس وقت تک قائم رہے گا جب تک کہ قیامت قائم نہ ہو جائے یا بارہ خلفاء نہ گزر جائیں۔ اور وہ سب کے سب قریش میں سے ہوں گے۔"

تو دین قائم رہے گا، یہ الفاظ اس معنی میں صریح ہیں کہ بارہ خلفاء کی خلافت سے مراد نبوی خلافت ہے کہ جس میں دین اسلام قائم رہے گا۔ صحیح مسلم ہی کے ایک دوسرے طریق میں الفاظ کچھ یوں ہیں:

---

[95] العواصم من القواصم: 201/1

[96] الألباني، محمد ناصر الدين، سلسلة الأحاديث الصحيحة وشيء من فقهها وفوائدها، مكتبة المعارف للنشر والتوزيع، الرياض، 1415ھ، 827/1

[97] صحيح مسلم، كِتَابُ الْإِمَارَةِ، بَابُ النَّاسُ تَبَعٌ لِقُرَيْشٍ، وَالْخِلَافَةُ فِي قُرَيْشٍ، 1453/3

«لَا يَزَالُ هَذَا الدِّينُ عَزِيزًا مَنِيعًا إِلَى اثْنَيْ عَشَرَ خَلِيفَةً»[98]

"یہ دین بارہ خلفاء تک غالب اور محفوظ رہے گا۔"

یہ دین سے رسول اللہ ﷺ کی مراد وہ دین ہے جو آپ ﷺ کے زمانے میں قائم ہے۔ اس دین کے بارے آپ نے خبر دی ہے کہ وہ دین بارہ خلفاء تک "عَزِيزًا" یعنی اپنی پوری شان و شوکت اور "مَنِيعًا" یعنی مکمل حفاظت کے ساتھ موجود رہے گا۔

اب یہ کہنا کہ فلاں فلاں محدث نے حدیث سفینہ رضی اللہ عنہ کو صحیح کہا ہے تو یہ بات درست ہے کہ محدثین کی ایک جماعت نے اس روایت کو صحیح کہا ہے لیکن بعض اہل علم نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے اور انہوں نے صحیح نہ ہونے کے دلائل بھی بیان کر دیے ہیں تو اب اس پر زور لگا کر منوانا کہ فلاں نے صحیح کہا ہے تو تم بھی مان لو کہ صحیح ہے، علمی طرز عمل نہیں ہے۔ بس اس روایت کے صحیح نہ ہونے کے بارے جو تفصیلی بحث ہم نے کر دی ہے، آپ اس کے ہر نکتے کا کوئی معقول جواب عنایت فرما دیں تو اتنا کافی ہے۔ اور ہمارے خیال میں ہم ایک ایسے شخص سے مخاطب ہیں جو "بابی" نہیں ہے۔ جس کا نعرہ ہی یہ ہے کہ "نہ میں بابی نہ میں وہابی، میں ہو مسلم علمی کتابی"۔ تو اب مسلم علمی کتابی کو دلیل کے مقابلے میں دلیل سے بحث کرنی چاہیے۔

اور ہماری دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث سفینہ کے مرکزی راوی سعید بن جمہان کی سفینہ مولی ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات ثابت نہیں ہے، دوسرا سعید بن جمہان کی روایت اس قابل نہیں ہے کہ اس سے حجت پکڑی جائے، تیسرا حدیث سفینہ رضی اللہ عنہ متفق علیہ صحیح احادیث کے خلاف ہے، چوتھا حدیث سفینہ رضی اللہ عنہ کا متن خود اپنے متن کے خلاف ہے، پانچواں اس حدیث کے مختلف طرق میں بھی متن کا تضاد موجود ہے، چھٹا حدیث سفینہ رضی اللہ عنہ سے خلافت و ملوکیت کا جو بیانیہ جنم لیتا ہے اس سے رسول اللہ ﷺ کی ذات پر طعن لازم آتا ہے لہٰذا یہ روایت مبادیات دین کے بھی خلاف ہے، لہٰذا یہ روایت ثابت نہیں ہے۔

---

[98] أيضاً

کیا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد نہ تھے؟ حدیث حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روشنی میں

محمد علی مرزا صاحب اپنے ریسرچ پیپر المعروف ہائیڈرو جن بم "واقعہ کربلا کا حقیقی پس منظر" میں پہلے باب کے ذیل میں، ص 1 پر، مسند احمد کی ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ جس میں یہ ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ تم میں نبوت کا زمانہ جب تک اللہ چاہے گا، رہے گا۔ اس کے بعد خلافت علی منہاج النبوۃ یعنی نبوت کے طرز پر خلافت کا زمانہ آئے گا اور وہ بھی جب تک اللہ چاہے گا، باقی رہے گا۔ اس کے بعد کاٹ کھانے والی ملوکیت کا زمانہ آئے گا اور وہ بھی جب تک اللہ چاہے گا، باقی رہے گا۔ اس کے بعد ظالمانہ ملوکیت کا زمانہ آئے گا اور وہ بھی جب تک اللہ چاہے گا، باقی رہے گا۔ اس کے بعد پھر ایک مرتبہ خلافت علی منہاج النبوۃ یعنی نبوت کے طرز پر خلافت کا زمانہ آئے گا۔

اس روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت سے قیامت تک کے زمانے کو پانچ ادوار میں تقسیم کیا ہے؛ پہلا دور، نبوی زمانہ ہے۔ دوسرا دور خلافت علی منہاج النبوۃ یعنی خلافت راشدہ کا دور ہے۔ تیسرا دور کاٹ کھانے والی ملوکیت کا دور ہے۔ چوتھا دور ظالمانہ ملوکیت کا دور ہے۔ اور پانچواں دور پھر سے خلافت علی منہاج النبوۃ یعنی خلافت راشدہ کا دور ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ حدیث حذیفہ رضی اللہ عنہ میں کہیں بھی یہ موجود نہیں ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد نہیں ہو سکتے۔ اس حدیث میں خلافت علی منہاج النبوۃ یعنی خلافت راشدہ کے بارے کہا گیا ہے کہ جب تک اللہ چاہے گا، وہ باقی رہے گی۔ اب اللہ کب تک چاہے گا، یہ ہمارے علم میں نہیں ہے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ حدیث حذیفہ رضی اللہ عنہ کے عموم کی تخصیص حدیث سفینہ رضی اللہ عنہ سے ہو جاتی ہے کہ حدیث سفینہ رضی اللہ عنہ میں موجود ہے کہ خلافت تیس سال تک رہے گی تو یہ دلیل قابل قبول نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث سفینہ رضی اللہ عنہ تو خود ثابت نہیں ہے تو ایک غیر ثابت روایت سے آپ دوسری روایت کی تخصیص کیسے کر سکتے ہیں! تو حدیث حذیفہ رضی اللہ عنہ اپنے عموم پر باقی ہے کہ جب تک اللہ چاہے گا، خلافت علی منہاج النبوۃ رہے گی۔

حدیث سفینہ کو پہلی مرتبہ سعید بن جمھان نے سفینہ سے 73-75 ہجری میں بیان کیا ہے اور یہ خود سعید بن جمھان کا بیان ہے جو مسند احمد میں نقل ہوا ہے۔ اور یہ حجاز پر حجاج بن یوسف کی گورنری کا وہ زمانہ ہے جبکہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سانحہ ہو چکا اور لوگ اس سے پہلے یزید بن معاویہ کی حکمرانی میں شہادت حسین رضی اللہ عنہ اور اب حجاج بن یوسف جیسے گورنر کی موجودگی میں شہادت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے نہ صرف غضب میں ہیں بلکہ ایک بڑی تعداد بنو امیہ کے خلاف پھٹنے کو تیار بیٹھی ہے، خاص طور شہادت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے سانحے کے بعد تو حالات بہت ہی خراب تھے۔ تو قوی احتمال یہی ہے کہ فتنے کے ان حالات میں ایک شخص نے خود کو سفینہ باور کروا کے سعید بن جمھان کو بنو امیہ کے بارے حدیثیں سنائیں اور انہوں نے اسے سفینہ ہی سمجھ کر وہ روایتیں آگے نقل کر دیں جبکہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ اس سے دو سال پہلے وفات پا چکے تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ خود حدیث حذیفہ رضی اللہ عنہ میں ہے کہ ایک مرتبہ پھر خلافت راشدہ کا زمانہ آئے گا جو کہ پانچواں دور ہو گا۔ تو اس حدیث نے اس کا انکار کر دیا کہ خلافت راشدہ چار تک محدود ہے جیسا کہ حدیث سفینہ رضی اللہ عنہ میں ہے۔ تو سوال یہ بھی ہے کیا حضرت عیسی ابن مریم علیہ السلام اور امام مہدی رحمہ اللہ کی خلافت، خلافت راشدہ نہیں ہو گی؟ اگر آپ کہتے ہیں کہ نہیں تو آپ کا یہ موقف حدیث حذیفہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ہے کہ جس کے مطابق خلافت راشدہ قیامت سے پہلے ایک مرتبہ پھر قائم ہو گی۔ اور اگر آپ کہتے ہیں ہاں، تو آپ کو حدیث سفینہ رضی اللہ عنہ کو ضعیف یا کم از کم مرجوح ماننا پڑے گا کیونکہ اس کے بغیر آپ ہاں کہہ نہیں سکتے۔

تیسری بات یہ ہے کہ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد نہیں تھے؟ اگر آپ کہتے ہیں کہ ہاں تھے تو خلافت راشدہ تو چار تک محدود نہ رہی لہٰذا حدیث سفینہ رضی اللہ عنہ کا متن ثابت نہ ہو سکا۔ اسی طرح کیا عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ خلیفہ راشد نہیں تھے؟ اگر تھے تو خلافت راشدہ تیس سال تک کیسے محدود ہو گئی!

اس کا حل بعضوں نے یہ نکالا کہ خلفائے راشدین پانچ ہیں۔ یہ تعبیر بھی حدیث سفینہ رضی اللہ عنہ

کی سنن ابی داود کی روایت کے خلاف ہے کہ جسے ہمارے ناقدین صحیح سمجھتے ہیں کہ حدیث سفینہ رضی اللہ عنہ میں نام لے کر خلافت راشدہ کو چار ناموں میں محدود کیا گیا ہے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا نام نہیں لیا گیا۔ تو اس سے بڑی فاش غلطی معلوم نہیں ہوتی کہ خلافت راشدہ کو صرف چار تک ہی محدود کر دیا جائے یعنی اب قیامت تک کبھی ایسا ممکن ہی نہیں ہے کہ کوئی مسلمان حکمران نبوت کی طرز پر حکمرانی کرے تو یہ اسلام کے خلاف اتنا بڑا طعن ہے کہ اس کے مقابلے میں دشمنان اسلام کے تمام طعن ہیچ ہیں کہ مسلمان اتنی نکمّی قوم ہیں کہ انہیں قیامت تک چار کے علاوہ صالح حکمران ہی نہ ملے اور نہ ہی مل سکتے ہیں اور ایسی فضول باتوں کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی کر دی جائے اور اوپر سے اسے دین بھی کہہ دیا جائے۔ یہ باتیں مبادیات دین کے خلاف معلوم ہوتی ہیں اور سلیم الفطرت انسانی طبعیت ان سے اباء کرتی ہے۔

چوتھی بات یہ کہ آپ نے حدیث حذیفہ رضی اللہ عنہ کی تحدید ہی کرنی ہے تو حدیث سفینہ رضی اللہ عنہ جیسی ضعیف روایت یا مختلف فیہ روایت سے کیوں کرتے ہیں؟ آپ صحیح مسلم کی بارہ خلفا والی روایت سے حدیث حذیفہ رضی اللہ عنہ کی تحدید کیوں نہیں کر لیتے؟ اس میں کیا مانع ہے؟ آپ یہ کیوں نہیں کہتے کہ حدیث حذیفہ رضی اللہ عنہ میں جو یہ آیا ہے کہ جب تک اللہ چاہے گا تو اس وقت تک خلافت علی منہاج النبوۃ رہے گی، اس سے مراد بارہ خلفا تک رہے گی؟ آپ ایک متفق علیہ (agreed upon) صحیح روایت سے حدیث حذیفہ رضی اللہ عنہ کی شرح کیوں نہیں کرتے؟

پانچویں بات یہ کہ جہاں تک حدیث حذیفہ رضی اللہ عنہ کی سند کا تعلق ہے تو اس روایت کا مرکزی راوی داود بن ابراہیم الواسطی ہے۔ داود بن ابراہیم نام کے تو کئی ایک راوی ہیں جیسا کہ داود بن ابراہیم، داود بن ابراہیم الواسطی اور داود بن ابراہیم قاضی قزوین۔ تو ہمیں یہاں فوکس کرنا ہو گا کہ یہ تینوں تین راوی ہیں یا دو یا ایک اور دوسرا یہ کہ حدیث حذیفہ رضی اللہ عنہ میں ان میں سے کون سا راوی مراد ہے؛

- پہلی بات تو یہ ہے کہ حدیث حذیفہ رضی اللہ عنہ کے راوی کا پورا نام داود بن ابراہیم الواسطی ہے اور اس کے شاگردوں میں ابو داود الطیالسی رحمہ اللہ ہیں جنہوں نے مسند الطیالسی لکھی

ہے۔ انہوں نے ہی اس راوی سے حدیث حذیفہ رضی اللہ عنہ نقل کی ہے اور انہوں نے ہی اس راوی کو ثقہ بھی کہا ہے۔ لیکن ابو داود الطیالسی رحمہ اللہ ائمہ جرح و تعدیل میں سے نہیں ہیں لہٰذا اس توثیق کا اعتبار نہیں ہے۔[99] دوسرا انہوں نے اس راوی سے روایت کی ہے نہ کہ وہ راوی ان کے اساتذہ میں سے ہے۔ ہم نے مسند الطیالسی میں سرچ کیا ہے تو ہمیں ابو داود الطیالسی رحمہ اللہ کی داود بن ابراہیم الواسطی سے یہی ایک روایت ملی ہے۔ اس وجہ سے بھی ابو داود الطیالسی رحمہ اللہ کی توثیق کا اعتبار نہیں بنتا کہ جس سے آپ نے ایک آدھی روایت نقل کی ہو، اس کو آپ کتنا کچھ جانتے ہوں گے!

- دوسری بات یہ ہے کہ ایک داود بن ابراہیم "قزوین" کا قاضی بھی رہا ہے۔ امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ اور دیگر ائمہ جرح و تعدیل نے اسے متروک الحدیث اور جھوٹ بولنے والا کہا ہے۔[100]
- تیسری بات یہ ہے کہ امام رافعی نے اپنی کتاب "التدوین فی اخبار قزوین" میں داود بن ابراہیم الواسطی اور داود بن ابراہیم قاضی قزوین کو ایک ہی شخصیت شمار کیا ہے۔ داود بن ابراہیم الواسطی قاضی قزوین خلیفہ ہارون الرشید [170۔193ھ]، امین الرشید [193۔198ھ] اور مامون الرشید [198۔218ھ] کے زمانے میں قزوین کا قاضی رہا ہے۔[101] تو مذکورہ بالا تین داود بن ابراہیم میں سے آخری دو ایک ہی ہوئے۔
- چوتھی بات یہ ہے کہ سلیمان بن داود الطیالسی [133۔204ھ] اس یعنی داود بن

---

[99] حَدَّثَنَا دَاوُدُ الْوَاسِطِيُّ، وَكَانَ ثِقَةً، قَالَ: سَمِعْتُ حَبِيبَ بْنَ سَالِمٍ. [الطيالسي، أبو داود سليمان بن داود، مسند أبي داود الطيالسي، دار هجر، مصر، الطبعة الأولى، 1419هـ، 349/1]

[100] داود بن إبراهيم قاضي قزوين روى عن شعبة ووهيب روى عنه محمد بن أيوب سمعت أبي يقول: داود بن إبراهيم هذا متروك الحديث كان يكذب. [الرازي، ابن أبي حاتم، الجرح والتعديل، دار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الأولى، 1271هـ، 407/3]

[101] داؤد بْن إبراهيم العقيلي أَبو سليمان الواسطي كان قاضيا بقزوين من قبل الرشيد ثم من قبل الأمين والمأمون. [عبد الكريم بن محمد بن عبد الكريم الرافعي القزويني، التدوين في أخبار قزوين، دار الكتب العلمية، بيروت، 1408هـ، 1/3]

ابراہیم الواسطی قاضی قزوین کے معاصر بھی ہیں۔ ابو داود الطیالسی کی وفات 204ھ میں ہوئی جبکہ داود بن ابراہیم الواسطی قاضی قزوین کی وفات 214ھ میں ہوئی۔[102]

- پانچویں بات یہ ہے کہ غالب گمان اور احتمال یہی ہے کہ ابو داود الطیالسی نے داود بن ابراہیم الواسطی قاضی قزوین سے ہی یہ روایت لی اور اسی کو انہوں نے "ثقہ" کہا ہے۔
- چھٹی بات یہ ہے کہ داود بن ابراہیم الواسطی قاضی قزوین کے علاوہ کسی بھی داود بن ابراہیم کے احوال زندگی ہمیں کتب اسماء ورجال اور کتب تاریخ میں نہیں ملتے ہیں بلکہ ان ائمہ کے ہاں بھی اس کے احوال منقول نہیں ہیں جنہوں نے اسے دو علیحدہ علیحدہ شخصیات بنا دیا ہے۔ البتہ اس راوی کے احوال زندگی اس شہر کی تاریخ پر لکھی جانے والی ایک مستقل کتاب میں موجود ہیں کہ جس کا تذکرہ اوپر گزر چکا اور وہ کتاب ان دونوں کو ایک ہی شمار کر رہی ہے۔
- ساتویں بات یہ ہے کہ بعض ائمہ جرح و تعدیل نے ان دونوں میں فرق کیا ہے لیکن انہوں نے فرق کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی ہے سوائے اس کہ داود بن ابراہیم الواسطی، حبیب بن سالم سے روایت کرتا ہے اور داود بن ابراہیم قاضی قزوین، شعبہ سے روایت کرتا ہے۔ اور یہ ایسی تفصیل نہیں ہے جو ان دونوں کے ایک ہی شخصیت ہونے میں مانع ہو جیسا کہ امام رافعی رحمہ اللہ نے اپنی مستقل کتاب میں ان دونوں کو ایک ہی شخصیت شمار کیا ہے۔
- آٹھویں بات یہ ہے کہ داود بن ابراہیم کی شخصیات کتنی ہیں اور کون کون سی ہیں، اس بارے تفصیلی بیان خطیب بغدادی رحمہ اللہ کا ہے بلکہ ان کی کتاب کا موضوع ہی یہی ہے یعنی راویوں کے ناموں میں اتفاق اور اختلاف کی بنیاد پر ان کی شخصیات کا تعین کرنا۔ خطیب بغدادی رحمہ اللہ کے نزدیک داود بن ابراہیم نام کے کل راوی پانچ ہیں جن میں سے ایک داود بن ابراہیم الواسطی ہے اور یہ شعبہ سے روایت کرتا ہے۔ ان پانچ میں پہلا

---

[102] أيضاً

داود بن ابراہیم صنعانی ہے جو کہ طاؤس سے روایت کرتا ہے۔ یہ وہی ہے جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے۔ دوسرا داود بن ابراہیم الباہلی ہے جو کہ مجہول راوی ہے۔ تیسرا داود بن ابراہیم الواسطی ہے جو شعبہ سے روایت کرتا ہے۔ چوتھا داود بن ابراہیم العنبری ہے جو عبدہ بن سلیمان سے روایت کرتا ہے۔ پانچواں داود بن ابراہیم الانطاکی ہے جو حسن بن شبیب سے روایت کرتا ہے۔[103]

- نویں بات یہ ہے کہ وہ داود بن ابراہیم جو طاؤس سے روایت کرتا ہے تو اسے یحیٰ بن معین نے ثقہ کہا ہے۔ اور امام بخاری اور امام ابو حاتم الرازی رحمہما اللہ دونوں نے ان دونوں راویوں میں فرق کیا ہے یعنی اس داود بن ابراہیم میں جو طاؤس سے روایت کرتا ہے اور اس داود بن ابراہیم الواسطی میں جو حبیب بن سالم سے روایت کرتا ہے اور اسے صرف ابو داود الطیالسی نے ثقہ کہا ہے۔ تو ان دونوں میں فرق ہے یعنی پہلے اور دوسرے میں۔
- دسویں بات یہ ہے کہ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے ان یعنی پہلے اور دوسرے کو ایک شمار کیا ہے جو کہ ان کا اختلاط معلوم ہوتا ہے لہٰذا داود بن ابراہیم الواسطی کی توثیق ان کی طرف سے درست معلوم نہیں ہوتی کیونکہ اس کا سبب ان کا اختلاط ہے کہ انہوں نے دونوں

---

[103] داود بن إبراهيم خمسة (1) منهم داود بن إبراهيم الصنعاني رأى وهب بن منبه وسمع طاوس بن كيسان روى عنه عبد الله بن المبارك ومعتمر بن سليمان وعبد الرزاق ابن همام ... (2) داود بن إبراهيم الباهلي رجل مجهول روى عنه محمد بن عيسى بن الطباع عن الزهري وإسماعيل ابن عياش ... (3) داود بن إبراهيم الواسطي حدث عن شعبة روى عنه محمد بن صالح الأشج الهمذاني ... (4) داود بن إبراهيم العنبري حدث عن عبدة بن سلميان الكلابي روى عنه محمد بن أحمد بن زهير النيسابوري ... (5) داود بن إبراهيم الأنطاكي حدث عن الحسن بن شبيب البغدادي المؤدب روى عنه علي بن سراج المصري. [الخطيب البغدادي، أحمد بن علي بن ثابت، المتفق والمفترق، الطبعة الأولى، 1417هـ، 880/2]

راویوں کو ایک سمجھ کر ایک کی توثیق کا حکم دوسرے پر بھی جاری کر دیا۔[104]

- گیارہویں بات یہ ہے کہ کتب اسماء ورجال اور کتب تاریخ میں ایک اور داود بن ابراہیم العقیلی کا تذکرہ ملتا ہے تو یہ داود بن ابراہیم العقیلی بھی داود بن ابراہیم الواسطی ہی ہے کیونکہ دونوں کے لیے قاضی قزوین کا لاحقہ استعمال ہوا ہے جیسا کہ ابن عساکر رحمہ اللہ نے اپنی ایک سند کی روایت میں داود بن ابراہیم العقیلی کو قاضی قزوین کہا ہے۔[105] اسی طرح کی بات امام سخاوی رحمہ اللہ نے بھی نقل کی ہے جیسا کہ انہوں نے کہا ہے کہ جامع قزوین کے امام جعفر بن محمد بن حماد نے کہا ہے کہ ہم سے داود بن ابراہیم العقیلی قاضی قزوین نے بیان کیا ہے۔[106]
- بارہویں بات یہ ہے کہ داود بن ابراہیم العقیلی پر بھی تہمت کذب نقل ہوئی ہے۔[107]

---

[104] دَاوُد بن إِبْرَاهِيم الوَاسِطِيّ سكن الْبَصْرَة يروي عَن طَاوس وحبِيب بن سَالم روى عَنهُ بن الْمُبَارك وَأَبُو دَاوُد الطَّيَالِسِيّ [محمد بن حبان بن أحمد، الثقات، دائرة المعارف العثمانية، حيدر آباد الدكن، الطبعة الأولى، 1393ھ، 280/6]

[105] أخبرنا أبو محمد بن حمزة ثنا أبو محمد الكتاني أنبأنا تمام ابن محمد أنبأنا أبو عمر محمد بن عيسى بن أحمد القزويني الحافظ وأبي رحمه الله قالا ثنا محمد بن أيوب بن يحيى بن الضريس الرازي ثنا داود بن إبراهيم العقيلي قاضي قزوين ثنا خالد بن عبد الله الواسطي عن الحريري عن أبي نضرة عن أبي سعيد الخدري .... [ابن عساكر، تاريخ دمشق، دار الفكر، بيروت، 1415ھ، 60/65]

[106] أحمد بن قدامة أبو العباس القزويني الجمال شيخ ثقة سمع إسماعيل بن أبي أويس وعبد العزيز الأويسي المدينة وغيرهما بغيرها روى عنه إمام جامع قزوين جعفر بن محمد بن حماد حدثنا داود بن إبراهيم العقيلي القاضي بقزوين حدثنا موسى بن عمير سمعت أبا صالح يقول .... [التحفة اللطيفة في تاريخ المدينة الشريفة، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، 1414ھ، 126/1]

[107] داود بن إبراهيم العقيلي عن خالد بن عبد الله الطحان. فهذا كذبه الأزدي. [الذهبي، محمد بن أحمد بن عثمان، ميزان الاعتدال في نقد الرجال، دار المعرفة للطباعة والنشر، بيروت، الطبعة الأولى، 1382ھ، 4/2]

توخلاصہ کلام یہ ہے کہ داود ابن ابراہیم پانچ ہیں جن میں سے ایک داود بن ابراہیم صنعانی ہے جو کہ ثقہ راوی ہے اور یہ وہ ہے جو طاؤس سے روایت نقل کرتا ہے اور اس میں اور داود بن ابراہیم الواسطی میں فرق ہے کہ یہ دو شخصیات ہیں جیسا کہ امام بخاری اور امام ابو حاتم الرازی رحمہما اللہ وغیرہ نے ان میں فرق کیا ہے جبکہ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے غلطی سے ان کو ایک بنا دیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ داود بن ابراہیم الواسطی جو حبیب بن سالم سے روایت کرتا ہے، اور داود بن ابراہیم قاضی قزوین جو شعبہ سے روایت کرتا ہے، اور داود بن ابراہیم العقیلی جو خالد بن عبداللہ سے روایت کرتا ہے، یہ تینوں ایک ہی ہیں اور اس پر تہمت کذب ہے۔ پس داود بن ابراہیم الواسطی، داود بن ابراہیم الواسطی قاضی قزوین اور داود بن ابراہیم العقیلی قاضی قزوین تینوں ایک ہی راوی ہیں جیسا کہ امام رافعی رحمہ اللہ نے اس کا پورا نام "داؤد بن إبراهيم العقيلي أبو سليمان الواسطي كان قاضيا بقزوين " کر کے لکھا ہے اور اس راوی پر تہمت کذب ہے لہٰذا داود بن ابراہیم الواسطی قاضی قزوین کے ضعیف ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ علاوہ ازیں امام بخاری رحمہ اللہ نے حبیب بن سالم رحمہ اللہ پر جرح کی ہے کہ جس سے داود بن ابراہیم الواسطی روایت نقل کر رہے ہیں اور ابو اسحاق الحوینی کا کہنا یہ ہے کہ یہ بہت شدید جرح ہے لیکن مجھے اس کی وجہ کا علم نہیں ہے۔[108]

اگرچہ امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ نے اس راوی کو ثقہ کہا ہے لیکن تحقیق حدیث میں میرا ذوقی منہج یہ ہے کہ میں اپنی حد تک امام بخاری رحمہ اللہ کے قول کو سب سے پہلے رکھتا ہوں، اس کے بعد امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور اس کے بعد امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ کے قول کو اگر تو مجھ سمجھ آجائے تو۔ یہ ترجیحی فہرست ان ائمہ دین کی تحقیقات کے مطالعے اور ان میں ان کی گہرائی کے لیول میں غور و فکر کے بعد میرے ذہن میں قائم ہو گئی لیکن مجھے اس کی صحت پر کوئی اصرار نہیں کرنا ہے۔ علاوہ ازیں حدیث سفینہ اور حدیث حذیفہ رضی اللہ عنہما کے بارے مزید تفصیل جاننے کے لیے ہمارے

---

[108] حبيب بن سالم: .. أما البخاريّ، فترجمه في "الكبير" .. وقال: "فيه نظر" !. وهو جرحٌ شديدٌ عنده، لست أدري وجهه! [أحمد بن عطية الوكيل، نثل النبال بمعجم الرجال الذين ترجم لهم فضيلة الشيخ المحدث أبو إسحاق الحويني، دار ابن عباس، مصر، الطبعة الأولى، 1433هـ، 404/1]